پھر بھی دِل دھڑکتا ہے

سائرہ رضا

سائرہ رضا

پھر کبھی دل دھڑکتا ہے



اس نے پیڈسٹرین برج کی ریلنگ پر کہنیاں ٹکا کر شہر کو تاحد نگاہ دیکھا۔ سڑک کے دونوں اطراف اسٹریٹ لائٹ کے کھمبوں کی روشنی کا عکس... سیاہی اور زردی کا امتزاج، اور اس پر آدھی رات، اس کے سیدھی جانب فردوس شاپنگ مال تھا اور الٹے ہاتھ پر لیاقت آباد سپر مارکیٹ.... سارا دن اس سڑک پر ٹریفک کا اژدھام رہتا تھا۔ اندر بازار گرم ہوتا تھا تو باہر پتھارے والوں کی پکار، گہما گہمی رونق، تجارت کی برکت....

لیکن اب رات تھی۔ دکانوں کے شٹر گر چکے تھے۔ پتھارے والے اپنا مال اللہ کے سپرد کر کے گھروں کو لوٹ چکے تھے۔

یوں لگتا تھا جیسے کسی نے شہر کو سمیٹ دیا تھا۔ لپیٹ کر رکھ دیا تھا سڑک کتنی لمبی اور چوڑی تھی۔ مگر دن کو یہ ایسی لگتی تھی جیسے تنگ نالی ایک مشکل گزار گاہ....

تو رات یہ جادوگری بھی رکھتی ہے کہ پھیل جاتی ہے اور دن سمٹ جاتا ہے۔ تنگ ہوتا ہے تنگ کرتا بھی ہے۔

کیسا سکون اور آرام طاری تھا شہر پر، شہر والوں پر.... مگر ایک وہی.... وہ ٹھنڈا سانس بھر کے چل پڑا تب ہی چونکا۔

اس کے پیر سے کچھ ٹکرایا تھا، وہ.... میلی چادر سے سر تانے ٹیڑھا میڑھا سویا چرسی، برج کے اوپر، برج کے نیچے فٹ پاتھوں پر بے سدھ سوئے انسان...

اس نے سر جھٹکا اور پیروں میں آتے انسانوں سے بچتا سیڑھیاں اترتا چلا گیا۔

کچھ لوگ مشکلوں کا سامنا کرتے ہیں۔
اور کچھ دامن بچالیتے ہیں یوں چادر تان کر۔۔۔۔
مگر کچھ بھی کریں زندگی کو جینا تو پڑتا ہی ہے۔

اس نے اپنی شرٹ کی جیب تھپتھپا کر دادا ابا کی دوا کی موجودگی کو محسوس کیا۔ انہیں شوگر کا مرض لاحق تھا، دیگر بہت سے امراض کے ساتھ ساتھ۔ صبح اٹھتے ہی نہار منہ شوگر کی گولی کھانی ہوتی تھی۔ اور باقی دن اور بہت ساری گولیاں مگر سب سے ضروری یہی والی تھی۔

دادا کا بس چلتا تو اپنی بیماری، تکلیفوں اور دواؤں کا قطعاً ذکر نہ کرتے۔ مگر یہ ذمہ داری حورے کی تھی۔ (مگر یہی ایک کیوں اس نے اور بھی بہت سی ذمہ داریاں اٹھا رکھی تھیں۔)

وہ حورے کے بارے میں سوچنے لگا۔

وہ جاگ رہی ہوگی۔ اس سے کھانا پانی پوچھے گی اور اس کے منع کرنے کے باوجود چنگیر میں روٹی اور سالن کی پلیٹ لے آئے گی۔ اس نے کتنی دیر لگادی تھی گھر پہ جانے میں۔۔۔۔ اس معاملے میں دادا پوتی ایک تھے۔

"رات دیر تک گھر سے باہر رہنا شرفاء کا طریقہ نہیں سبکتگین۔۔۔" دادا کا آغاز یہاں سے ہی ہوتا تھا۔

"تمہیں شہر کے حالات کا پتا ہے نا؟" حورے وہ سوال کرتی جس کا جواب بچے بچے کے پاس سے مل جاتا۔ (خراب، بے حال و برباد شہر۔۔۔ آہ روشنیوں کا شہر ۔۔۔ روشنی کو ترستا شہر)

"جگہ جگہ رینجرز اور پولیس موبائلز گھومتی ہیں۔ سبکتگین! گیہوں کے ساتھ گھن بھی پستا ہے میں بوڑھا انسان تمہیں کہاں ڈھونڈتا پھروں گا۔ نہ پھرا کرو رات گئے تک سڑکوں پر۔"

مکمل ناول



وہ مسکرا دیتا۔ سراثبات میں ہلا تا ان کے پیر دابنے لگتا۔ ایسے سڑکیں ناپنا اچھا لگتا تھا۔ اسے اس شہر سے محبت تھی۔ اپنی گلیوں سے، چوراہوں سے، راستوں کونوں کھدروں سے...

شہر سبق تھا اور اسے یاد تھا۔

شہر کتاب تھا اور اس نے اسے سینے سے لگایا ہوا تھا۔

شہر خواب تھا اور وہ تعبیر کے لیے کسی قائد کو ڈھونڈنا چاہتا تھا۔

اور کسی کیوں... وہ خود قائد ہونا چاہتا تھا۔

مگر یہاں انسان ہونا مشکل ہو رہا تھا وہ رہنما کیسے بنتا۔

اوہ... یہ حورے بھی ناں۔" اس کے ہاتھ کے دباؤ سے دروازہ کھلتا چلا گیا۔

وہ یقیناً" اسے اوپر گیلری سے دیکھ چکی تھی۔ اس نے چٹخنی گرا دی تھی مبادا دستک کی آواز پر دادا کی نیند خراب ہو۔

"شہر کے حالات معلوم ہیں۔ پھر بھی دروازہ کھول دیتی ہو۔"

"تم مجھے دکھائی دے گئے تھے اس لیے۔"

"ہاں مگر مجھ سے پہلے کوئی چور ڈاکو بھی اندر آسکتا تھا۔"

"یہاں سے کیا لے کر جائے گا؟" اس کا لہجہ سادہ تھا۔

"دروازہ تو جھونپڑی کا بھی ہوتا ہے حورے...."

سالن نکالتے اس کے ہاتھ ساکت ہو گئے۔ اس نے ترچھی نگاہ سے دیکھا۔ جوتے اتارنے کے بعد وہ جیب سے دادا کی دوا نکال رہا تھا۔

پھر اس نے پیسے اور کچھ کارڈز نکالے۔ پیسے گنے۔ پچاس، سو، دس، بیس اور کچھ سکے بھی... ٹوٹل ایک سو پچاسی تا ستاسی... اس نے ٹھنڈی سانس بھر کے میز پر کارڈ اور رقم رکھ دی، پھر جیب سے موبائل نکالا۔ اس نے آج بھی اس کی اسکرین نہیں بدلوائی تھی۔

سبکتگین کا اٹھائیس سو ننانوے روپے والا موبائل... جو اکثر بیلنس سے محروم رہتا تھا۔ میسج پیکج اور ایک مس کال کی گنجائش۔

وہ کچن کے سنک پر ہی ہاتھ منہ دھونے لگا تھا۔

اس نے چھوٹی میز گھسیٹ کر تخت کے سامنے رکھی اور اس پر کھانا چن دیا۔

"اتنے سارے برتن۔" وہ تولیے سے ہاتھ پونچھتا آیا۔ "کیا پکا لیا ہے۔ یہ تو دعوت لگ رہی ہے خیریت ....؟"

"کوئی دعوت نہیں ہے۔ روٹیاں ہیں رائتہ ہے۔ دہی بڑے بنائے تھے شام کو دادا کی فرمائش پر... اور یہ زردہ... ساتھ والوں کے ہاں سے آیا ہے۔"

"اور یہ..." اس نے سالن کی پلیٹ کی طرف اشارہ کیا۔

"قیمہ مٹر..." وہ تیزی سے بولی۔ کتنا مہنگا ہو چکا تھا گوشت اور اس پہ بغیر ہڈی کا قیمہ۔ اف توبہ... سو حیرت بنتی تھی۔

حورے کھانا واقعی بہت اچھا بناتی تھی۔ اور دیگ کا ست رنگا زردہ... واہ! وہ سر ہلا ہلا کر کھانے لگا۔

☆ ☆ ☆

"زمانہ بدل گیا ہے دادا... نئی سوچ نئی مثالیں اور حکایتیں... اب بڑھاپا اولاد کے سہارے نہیں دواؤں کے سہارے گزرتا ہے۔" وہ انہیں مٹھی بھر گولیاں کھانے پر مجبور کر رہی تھی۔

"اتنی ساری گولیاں میں نہیں کھا سکتا۔"

"لاؤ آدھی میں کھا لیتا ہوں۔ ڈوز تو پوری کرنی ہے نا۔" سبکتگین نے صرف کہا نہیں بلکہ اس کا ہاتھ تھام کر گولیاں اٹھا بھی لیں۔ اب وہ پانی کا گلاس ڈھونڈ رہا تھا۔

"پاگل ہوئے ہو۔" دادا سٹپٹائے "کوئی کسی کی دوا میں بھی حصہ بانٹتا ہے۔"

وہ مسکرا دیا۔ "بالکل صحیح... جیسے کسی کا درد نہیں

بانٹ سکتے ویسے ہی دوا بھی بانٹی نہیں جا سکتی خود ہی کو کھانا پڑتی ہے۔" اس نے گولیاں دادا کے منہ میں رکھ کر پانی کا گلاس ان کے ہونٹوں سے لگا دیا۔

"اوہ.....!" دوا نگل کر وہ یوں ہانپے جیسے معرکہ سر کیا ہے۔

"درد تو بانٹا جا سکتا ہے بیٹے.....!"

"اوں ہوں!" وہ کرسی پر بیٹھ کر کف بند کرنے لگا۔

"نرا محاورہ ہے۔ یہ کیا بات ہوئی۔

کوئی بات نہیں ہوئی۔ آپ کتنی بیماریاں لیے بیٹھے ہیں۔ آپ کی تکلیفیں میں سن تو سکتا ہوں۔ خود پر لے نہیں سکتا۔"

"محسوس تو کر سکتے ہونا۔" دادا کا دل چھوٹا ہوا۔

"ہاں مگر اتنا ہی جتنی مجھے آپ سے محبت ہو گی۔"

"محبت زیادہ ہو گی تو احساس بھی زیادہ۔" "محبت کم ..... احساس زیرو..... ہو رہا ہے تو ہو تا رہے درد کوئی کیا کر سکتا ہے؟" وہ کچھ تلخ ہو گیا تھا۔ کپوں میں چائے نکالتی حورے کے ہاتھ اک گئے۔ اس نے کچن کی کھڑکی سے اسے دیکھا۔

بلیک ڈریس پینٹ پر اسکائی بلو لائنوں والی شرٹ..... وہ یقیناً" کسی انٹرویو کے سلسلے میں جا رہا تھا۔ اور ہر بار ایسا ہی ہوتا تھا۔

وہ خاموش ہو جاتا تھا۔ یا پھر بہت تلخ.....

"تمہیں میرے درد کا احساس ہے؟" دادا کا سوال امید بھری ٹوہ لیتا مگر انداز بچکانہ تھا۔

"یہ کوئی پوچھنے کی بات ہے۔" وہ مسکرایا۔

"یہ بس ایک سوال ہے اور اس کا ایک جواب بھی ہونا چاہیے۔" دادا نے نروٹھے پن سے کہا۔

"اوہ.....!" وہ ہنس دیا۔ چائے لاتی حورے ٹھٹک کر رک گئی۔ کتنا کم ہنسنے لگا تھا وہ..... کہیں غلطی سے بڑی مشکل سے۔

"تو سیدھا جواب یہ ہے دادا کہ مجھے اس درد کا بہت احساس ہے۔ ہر وقت ہر گھڑی..... اس لیے کہ مجھے آپ سے بہت محبت ہے۔"

"ہاں!" دادا کی اٹکی سانس بحال ہوئی۔

آج کے اس خود غرض دور میں جب اولاد والدین سے نگاہ چراتی ہے۔ وہ پوتا ہو کر ان سے اظہار محبت کر رہا تھا۔ بڑی بات تھی، بہت بڑی بات۔

"اللہ تمہیں کامیاب کرے بیٹا!" دادا نے دونوں ہاتھ اٹھا دیے۔

"تین سال ہونے کو آ رہے ہیں دادا.....

"اوں ہوں۔ مایوس نہیں ہوتے۔"

"نہیں ہوا..... اسی لیے تو ہر بار تیار ہو کر نئے عزم سے درخواست دینے انٹرویو دینے پہنچ جاتا ہوں..... اور یہی نہیں، ہر بار پوسٹ ماسٹر سے پوچھتا بھی ہوں۔ میرا کوئی لیٹر آیا۔ ایسے تو گاؤں کی گوری بھی ڈاک بابو کا انتظار نہیں کرتی ہو گی۔" وہ ہنس دیا۔ (ایک دن میں دوبار..... اف..... حورے نے نگاہ چرائی پہلے والی ہنسی اور اب یہ دوسری والی ہنسی (جب ہم خود پر ہنسیں۔ کتنے برے لگتے ہیں۔ بددعا کی طرح، جلے سڑے کالے بھوت)

"ناشتہ کرو۔" دادا نے نصیحت کا ارادہ ترک کر دیا۔

اس نے سر ہلا دیا۔ سلائس دو لقموں میں کھا لیا اور چائے کا کپ ایک سانس میں ختم..... فائل ہاتھ میں پکڑے وہ دادا سے پیار لے کر اسے مسکرا کر دیکھتا دھڑ دھڑ سیڑھیاں اتر گیا۔ حورے خاموشی سے گیلری میں آ گئی۔

فرنیچر گلی صبح کے نو بجے سوئی پڑی تھی۔ سب کارخانوں کے دروازے بند تھے۔ نیچے کارخانے اوپر گھر..... خاموشی تھی ورنہ تو سارا دن وہ شور ہوتا کہ الاماں.....

وہ آج پھر خواب لے کر گھر سے نکلا تھا۔

کیا وہ کامیاب ہو گا۔ یا پھر ہمیشہ کی طرح آہ! حورے کی آنکھ بھر آئی۔

☼ ☼ ☼

"چلا گیا....؟"

"ظاہر ہے۔ تمہیں کمرہ خالی نظر نہیں آرہا۔ تخت کے نیچے چھپ کر تو نہیں بیٹھے گا۔" دادا کا موڈ واقعی خراب تھا۔ وہ ہنس پڑی۔ دادا نے گھورا۔

"ایک کپ چائے بنا کر دینے سے کیا فرق پڑتا۔"

"دادا....!" وہ ہنس دی۔ "وہ کون سا دور سے آتا ہے۔ یہ نیچے سے چار سیڑھیاں چڑھیں اور کارخانے کا کرایہ دے دیا۔ بلکہ میں تو کہتی ہوں' اوپر آنے کی بھی کیا ضرورت ہے۔ کسی بچے کو بھیج دیا کرے۔"

"بچے کو کیوں.... گیلری سے ڈول نیچے لٹکا دوں گا' وہ اسی میں ڈال دے۔"

"اوہ' دادا...." اسے ہنسی آگئی۔ "کمال ہے یہ آئیڈیا مجھے کیوں نہیں سوجھا۔"

"حورے!" دادا نے سختی سے کہا۔

"کیا حورے...." وہ تخت پر ان کے سامنے چوکڑی مار کے بیٹھ گئی۔ "وہ مجھے اچھا نہیں لگتا۔"

"ایسے نہیں کرتے بیٹا۔"

"تو پھر بھی ویسے بھی نہیں کرنا چاہیے جو اس نے کیا۔"

"اس نے کیا کیا؟"

"جیسے آپ جانتے نہیں۔" اس نے ناک چڑھائی۔

"اوہ....!" دادا سمجھ گئے۔

"خالد چچا جانتے تھے کہ میرا رشتہ بچپن سے سبکتگین سے طے ہے تو پھر ان کی بیوی میرے لیے رشتہ کیوں لے کر آئیں۔"

"بیٹے کی فرمائش پر آگئی ہوگی۔ مائیں مجبور ہو جایا کرتی ہیں۔" دادا کے پاس درگزر کے لیے بہت گنجائش تھی۔

"اگر یہ بات سبکتگین کو پتا چلے کہ ایاز کی ماں رشتہ لائی تھی تو...."

دادا بھی چونکے۔ "ہاں وہ اس سارے قصے سے ناواقف ہے۔"

"تو اگر جان لے تو کیا ردعمل ہوگا۔"

"ظاہر ہے برا لگے گا۔"

ایاز سے دن میں دس بار کا سامنا تھا۔ ان کا گھر اوپر تھا اور نیچے کے سارے حصے پر فرنیچر بنانے کا کارخانہ.... جو ایاز کے ابو نے کرائے پر لے رکھا تھا اور ایاز اپنے دو چھوٹے بھائیوں کے ساتھ دو تین برسوں سے باقاعدگی سے کارخانہ سنبھالنے لگا تھا۔ وہ خود بھی کام کرتا تھا اور کاریگر بھی رکھے ہوئے تھے۔ کاریگر کام کر رہے ہوتے تو وہ کرسی ڈال کر تھڑے پر بیٹھ جاتا۔

سبکتگین سیڑھیاں چڑھتے اترتے بات چیت کیا کرتا ویسے تو وہ زیادہ گفتگو کرنے کا شوقین نہیں تھا۔ لیکن سلام دعا.... حال احوال سے حالات حاضرہ تک بالخصوص جب لائٹ جانے پر وہ گھر سے نکل کر سیڑھیوں پر بیٹھ جایا کرتا تھا۔

وہ سبکتگین سے بہت عزت سے پیش آتا تھا۔ وہ تعلیم میں زیادہ تھا' اس لیے یا وہ مالک مکان تھا اس لیے.... یا پھر یہ سبکتگین کا کیا لیا دیا مخصوص انداز تھا جو مقابل کو اس کا احترام کرنے پر مجبور کر دیتا تھا۔

اس کی شخصیت میں ایک رعب تھا۔ آنے جانے والوں کو شہزادہ لگتا مگر بے روزگاری کی فکر اور جدوجہد نے آنکھوں میں جو حزن بھر دیا تھا۔ وہ جلاوطن شہزادہ لگتا ہلکی بڑھی شیو کے ساتھ اسی کی دہائی کے ڈراموں کا اینگری ینگ مین....

گلی کے تمام چھوٹے بڑے اس سے واقف تھے وہ مظفر معراج کا پوتا تھا مظفر معراج ایک زبردست بڑھئی....

ان کے ہاتھوں میں لکڑی کو تراشنے اور شکلوں میں ڈھالنے کا ہنر تھا۔

وہ لکڑی سے صورتیں بھی گھڑ سکتے تھے۔ مگر ہاتھوں میں رعشہ اتر آیا تو سہارے کے لیے لکڑی تھامنا بھی مشکل ہو گئی۔

یہ ایک گھر کل پونجی تھا۔ اوپر خود رہتے تھے سر چھپانے کا آسرا اور نچلا کارخانہ پیٹ بھر دیتا تھا۔

اللہ نے چار بچوں سے نوازا۔ دو بیٹیاں دو بیٹے۔
بڑی بیٹی اچھے امیر کبیر گھرانے کی بہو بنی۔ اس کے میاں کا اپنا کاروبار تھا۔ کاروبار پھیلا تو وہ سرگودھا شفٹ ہو گیا۔ کینو کی سپلائی کا کوئی کام تھا اور خوب چلتا تھا۔
چھوٹی بیٹی یہیں خود سے قریب گارڈن میں بیاہی۔ عزت کے ساتھ گزارا ہو رہا تھا۔ مگر اسے بیوگی کا روگ لگ گیا۔ سب سے چھوٹی اور لاڈلی بیٹی تھی۔ انہیں سب سے زیادہ صدمہ اسی کا لگا تھا۔ اس سے پہلے سبکتگین کے باپ ظفر کی اچانک موت نے بھی توڑ دیا تھا مگر بیٹی کی بیوگی نے کرچی کرچی کر دیا۔ ہاتھوں میں رعشہ اتر آیا تھا۔ ورنہ وہ خود بیٹی کا آسرا بن جاتے ۔اب یہ کرنے لگے کہ کارخانے کا کرایہ اسے دینے لگے۔ اپنے گھر کے اخراجات کی فکر نہیں تھی۔
سبکتگین کی ماں گورنمنٹ اسکول کی ٹیچر تھی اور گھر میں کل افراد ہی کتنے تھے۔ وہ سبکتگین اور اس کی ماں اور حورے۔
حورے ان کے دوسرے بیٹے قمر کی بیٹی تھی۔ قمر سعودیہ میں بوجہ ملازمت رہائش پذیر تھا۔ اور انہیں ان کا اور بیٹی کا خرچا بھیجا کرتا تھا۔ باوجود اس کے کہ وہ رقم بہت کم ہوتی تھی۔ مگر یہاں دادا پوتی کا خرچا بھی کیا تھا۔ قناعت اور سادگی یوں بھی زندگی کو آسان کر دیتی ہے۔
لیکن زندگی اتنی آسانیوں کا نام بھی نہیں۔
سبکتگین کی ماں معمولی بخار میں مبتلا ہو کر ایک صبح چٹ پٹ ہو گئیں۔
وہ جانتے تو تھے بہو نے سب کچھ سنبھال رکھا ہے۔ مگر کتنا۔۔۔۔ کچھ یہ اندازہ نہیں تھا۔
کارخانے کا کرایہ دادا پوتا پوتی کے لیے بہت کافی تھا۔ مگر وہ تو وہ بیٹی کو دیتے تھے۔ تو اب کیا ہو گا۔
ادھر قمر سعودیہ سے پیسے کبھی بھیجتا تھا کبھی نہیں۔۔۔۔ آمدنی کم اور پھر فیملی کا ساتھ۔۔۔۔ وہ اپنی گرہستی ہی سنبھال پاتا تھا۔
دراصل حورے کی ماں اور قمر میں کبھی نہیں بنی۔ شوہر کے دل پر بیوی چڑھی ہی نہیں۔۔۔۔ تو بیوی نے بھی کوشش نہیں کی۔ نہیں تو نہ سہی۔ حورے کی پیدائش بھی اس خلیج کو پاٹنے میں ناکام رہی۔
وہ اپنی ماں کے گھر جا کر بیٹھ گئی۔ بچی کو دادا دیکھے یا باپ دیکھے یا پھر تائی یعنی سبکتگین کی امی۔۔۔۔ جو بیٹھک خاندان کے بڑوں نے صلح صفائی کے لیے جمائی اس کا انجام طلاق نکلا۔ کہانی ختم۔
قمر سعودیہ جا کر بیٹھ گیا۔ ماں نے سال بعد شادی رچالی اور اب اللہ جانے وہ کہاں تھی یا نہیں تھی۔ کچھ خبر نہیں۔
ادھر تھوڑا وقت اور گزرا تو مظفر معراج نے بیٹے کا دوبارہ گھر بسانے کی کوشش کی۔ جلد رشتہ طے ہو گیا اور وہ بیوی کو ہمراہ لے گیا۔ وہاں بچے بھی ہو گئے۔ حورے تائی اور دادی کے نزدیک تھی۔ وہ یہیں رہنا چاہتی تھی۔ کہنے کو قمر سعودیہ کے ریال کما رہا تھا مگر وہ اس کے اپنے خاندان کی ضروریات کے لیے کافی تھے۔ ماہوار ایک مخصوص رقم باقاعدگی سے دینا مشکل تھا۔ مگر اب حالات بدل گئے تھے۔ ہاں سبکتگین جو پڑھ رہا تھا۔ تعلیم مکمل کرتا اور اسے اچھی سی ملازمت مل جاتی تو سب کچھ پہلے کی طرح ٹھیک ہو جاتا۔ مگر ابھی تو وہ زیر تعلیم تھا اور تعلیم خرچا مانگتی تھی۔ بیوہ بیٹی کا واحد آسرا ان ہی کی دی رقم ہوتی تھی۔ اور اس میں کٹوتی کرنا پڑی۔ یہ بہت مشکل فیصلہ تھا۔ مگر ناگزیر تھا۔ مظفر معراج نے بیٹی کو آس کا سرا تھمایا۔
"بس کچھ وقت کی تنگی ہے۔ جیسے ہی سبکتگین کو ملازمت ملتی ہے۔ سب کچھ پہلے کی طرح ٹھیک ہو جائے گا۔"
بیٹی نے دل کی گہرائی سے آمین کہا۔
مگر سبکتگین کی ملازمت۔۔۔۔ اوہ۔۔۔۔ یہ تو جوئے شیر لانے جیسا کام ہو گیا۔
وہ عام آدمی تھا' عام انسان ایک عام سی مرحوم گورنمنٹ ٹیچر کا بیٹا۔۔۔ اسے کس نے پوچھنا تھا سفارش بھی نہیں تھی۔ رشوت دینے کو بھی مناسب

بندہ نہیں ملتا تھا۔
اس نے ڈگری کو چار چاند لگانے کے لیے دو تین اور امتحان بھی پاس کر ڈالے۔ سی وی جگمگانے لگی۔ مگر یہ جگمگاہٹ میز کے دوسری طرف بیٹھے افسران کی آنکھوں کو خیرہ نہیں کرتی تھی۔
میز کے دوسری طرف بیٹھے بااختیار کسی فون کال پہ پہلے ہی اپنا اختیار کھو چکے ہوتے تھے۔ محض فارمیلٹیز نباہنے کے لیے اتنا تردد......
اب تو انٹرویو دیتے وقت اس کے انداز میں جھلاہٹ محسوس ہونے لگی تھی۔
وہ کمرے میں داخل ہو کر سیٹ سنبھالنے تک چہرے بھی پڑھ لیتا۔ نوکری پہلے ہی دی جا چکی ہے اور مذکورہ افسران اے سی کمرے میں بیٹھ کر بس ایسے ہی فارمیلٹی کے مزے اڑا رہے ہیں۔

☼ ☼ ☼

چھوٹی پھپھو کے پاس کوئی ہنر نہیں تھا۔ انہیں باپ سے پیسے لیتے ہوئے اب لاج آنے لگی تھی۔ وہ سبکتگین کی تنگ دو سے بھی انجان نہیں تھیں۔
انہوں نے اپنے پڑوس والی کی مدد سے کسی گارمنٹ فیکٹری سے بیڈ شیٹ کے ساتھ کے تکیے لا کر سلائی کرنے شروع کر دیے۔ فی تکیہ سلائی کرنے کی مزدوری دس روپے۔ سبکتگین کی آنکھوں سے لہو برسنے لگا۔
پھپھو تکیے سلائی کر دیتیں اور ان کا چودہ برس کا بیٹا اسے سائیکل پر لاد کر واپس پہنچا آتا۔ سبکتگین نے دیکھ لیا۔ وہ دادا کے بھیجے گئے پھل، سبزیاں اور دودھ کے ڈبے دینے آیا تھا۔ گلی سے علی کو گزرتے دیکھا۔ اس نے ساری تفصیل بتا دی وہ بھاری قدموں سے دروازہ پر پڑا پردہ ہٹا کر اندر داخل ہوا۔
سامنے برآمدے میں پھپھو دیوار سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے بیٹھی تھیں۔
سامنے مشین پڑی تھی... ادھ کھلی قینچی اور زمین پر پڑی چند کترنیں اس کا دل بوجھل ہو گیا۔ اتنا و زنی کہ اٹھایا نہ جائے۔
سامان کے تھیلے بے آواز دروازے کے پاس ہی رکھ کر وہ دبے قدموں باہر نکل آیا۔
"پھپھو سے کہیں، وہ یہ نہ کریں۔" وہ دادا کے سامنے اپنا ضبط کھو بیٹھا۔
"تو پھر اور کیا کرے؟" دادا نے جوابی سوال کیا تھا اور وہ لاجواب ہو گیا تھا۔
اور پھر اس نے سنا پھپھو نے علی کو کسی دکان پر رکھوا دیا ہے۔ بارہ بجے سے رات دس بجے تک.... اور ماں بیٹا کتابوں کی جلدیں کرنا بھی سیکھ رہے ہیں کہ سیزن میں خوب آمدنی ہوتی ہے۔
"لیکن علی تو ابھی نائنتھ کلاس میں ہے اور بارہ بجے تو خود وہ اسکول سے اٹھے گا تو شاپ پر کب جائے گا؟"
"اسکول کے ساتھ ہی شاپ ہے۔ چھٹی ہوتے ہی بیگ سمیت بھاگ کر شاپ میں گھس جاتا ہوں بھائی جان.... اسکول شرٹ اتار دیتا ہوں۔ اندر ٹی شرٹ ہوتی ہی ہے۔ بس دو منٹ میں...."
"اور لنچ...." اس کے منہ سے نکل گیا۔
"لنچ کا کوئی مسئلہ نہیں.... شاپ آنر نے ایک رول کھانے کی پرمیشن دے دی ہے۔ ڈیپ فریزر میں ٹھنڈا پانی ہوتا ہے اور سارے رول سموسے بک جاتے ہیں تب سموسوں کی ٹوٹی پارٹی اور چورا اتنا سارا ہوتا ہے کہ رات تک بھوک نہیں لگتی۔ شام کی چائے بھی شاپ آنر کی طرف سے ہوتی ہے۔"
علی مطمئن تھا۔ سبکتگین کے حال سے بے خبر بولتا ہی جا رہا تھا۔
"اور پڑھتے کب ہو؟"
"پڑھائی کا کوئی مسئلہ نہیں.... بارہ سے ڈھائی بجے تک رش آورز ہوتے ہیں۔ پھر آفٹرنون کی چھٹی کے وقت پانچ سے چھ بھی درمیان میں پڑھتا ہوں رات کو کبھی رش ہوتا ہے، کبھی نہیں۔"
اس نے علی کو دیکھا وہ خوش تھا اور پرجوش بھی۔

اور یہ بہت بڑی کامیابی ہوتی ہے۔ لیسے وہ اپنی ماں کا سہارا بن گیا تھا۔ اس عمر میں اتنی محنت اس نے سر جھٹکا اور علی کے پر عزم چہرے کو دیکھا۔

"پڑھائی مت چھوڑنا علی۔۔۔"

"ارے!" علی ہنس دیا "پڑھائی کیوں چھوڑوں گا۔"

سبکتگین کا دل مضبوط ہوا۔ اگر جو علی کہہ دیتا کہ آپ کو پڑھ لکھ کر کیا ملا تو۔۔۔؟ سبکتگین نے اپنی ترجیحات بدل لیں۔

وہ افسر نہیں بنے گا۔ نہ بڑا افسر نہ چھوٹا افسر۔۔۔ وہ بس کام کرے گا۔ کوئی بھی کام کوئی سا بھی کام۔۔۔ بس کوئی بھی باعزت ملازمت جو اس کی تعلیم سے مناسبت نہ رکھتی ہو مگر۔ گھر کے حالات کو مناسب کردے۔

لیکن یہاں بھی یہ مصیبت کہ وہ کسی ہنر سے واقف نہیں تھا۔ ڈھائی برس کی عمر میں استانی امی نے پنسل پکڑائی تھی۔ اسے تو چھری پکڑ کے آم کی قاش بنانے تک کا سلیقہ نہیں تھا۔

اپنے مزاج کے برخلاف وہ کئی جگہ پر کام کرنے بیٹھ بھی گیا۔ مگر ان دنوں وہ شدید ڈپریشن کا شکار ہو جاتا۔ کچھ دن کام کرلیتا۔ ملنے والی ساری تنخواہ دادا کے ہاتھوں میں دیتا اور راتوں کو اخباروں سے تراشے کاٹ کاٹ کر صبح سی وی پوسٹ کر دیتا۔ بازار حرص و نا انصافی میں قابلیت کی دکان پر سناٹا پڑا تھا۔ اور اس کا کوئی خریدار نہیں تھا۔

☆ ☆ ☆

"کیوں بھیج رہی ہے مہرو اپنی بیٹی کو؟" دادا کے ہاتھ میں کھلا خط تھا۔ جسے تین چار بار پڑھنے کے بعد بھی الجھن ختم نہ ہوئی اب حورے کو خط لہرا کر دکھایا۔

"دادا۔۔۔!" حورے نے ہاتھ روک لیے۔ وہ چھوٹے ٹب میں دادا کی نماز کی ٹوپیاں اور رومال مل رہی تھی۔

"بچے چھٹیوں میں اپنے نانا۔۔۔ دادا کے گھر جایا ہی کرتے ہیں۔"

"مگر پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا۔"

"آپ کو اعتراض پہلے نہ ہونے پر ہے یا اب ہونے پر ہے؟"

"دونوں پر۔۔۔" دادا کا لہجہ جارحانہ تھا۔

"آپ کو خوشی نہیں ہو رہی۔ آپ کی سب سے بڑی نواسی ہے زینیا۔"

"گھر کے حالات تمہارے سامنے ہیں۔" دادا نے بالآخر کہہ ہی دیا۔

"اوہ۔۔۔! حورے کی نگاہیں جھاگ پر ٹک گئیں۔

"ہم اتنے بھی گئے گزرے نہیں دادا کہ ایک مہمان کو دو وقت روٹی نہ کھلا سکیں۔"

"امیر باپ کی بیٹی ہے وہ۔۔۔ ہم تو گوشت بھی سوچ سمجھ کر پکاتے ہیں۔"

"مرغی آج کل سستی ہے دادا جان!" اس نے انہیں بچوں کی طرح بہلایا۔

"ہاں۔۔۔ خریداروں کے لیے۔۔۔"

دونوں کے درمیان خاموشی چھا گئی۔ دادا ایک بار پھر خط کے مندرجات پڑھ رہے تھے۔ حورے نے ان کا چہرہ بغور دیکھا تفکر سے کچھ بڑھ کر ناراضی محسوس ہوتی تھی۔ ماتھے پہ تیوری، آنکھوں میں خفگی۔

"آپ اصل بات بتا دیں دادا!" وہ ٹب اٹھا کر لے جانے کے لیے کھڑی ہوئی تو کہہ دیا دادا چونکے مگر نفی میں سر ہلا نہیں سکے۔ حورے ٹوپیاں وغیرہ ٹانک کر واپس آئی تو تفکر موجود تھا مگر ایک فیصلہ کن تاثر بھی عیاں تھا۔

چند لمحوں بعد وہ کرسی گھسیٹ کر ہاتھ پونچھتے ہوئے ان کے تخت کے نزدیک براجمان ہو گئی۔

"میں ناراض ہوں مہرو سے۔۔۔"

"ناراض؟ کیوں؟"

اگر وہ چاہتی تو کیا نہ کر سکتی تھی زیبی کے لیے۔"

"اوہ۔۔۔!" اس نے ٹھنڈا سانس لیا۔ "آپ کو اب تک وہ بات بھولی نہیں دادا۔"

"نہیں۔" دادا کا سر نفی ہلا۔ "جب تک زیب النساء کے حالات درست نہیں ہوتے، مجھے یہ بات یاد رہے گی۔ میں نے تو اس سے یہ بھی کہا کہ جو کچھ اللہ کے نام پر نکالتی ہے اپنے شوہر سے کہے کہ وہ سب زیبی کو دے دیا کرے تو بولی۔

"میں اپنے شوہر کے سامنے میکے کو نیچے کیسے کر دوں؟ کہ میری بہن صدقہ زکواۃ لے لے گی۔ جس چیز کو اللہ نے حلال کر دیا وہ اس کے لیے ہیٹی ہو گئی۔ وہ اپنی سگی چھوٹی بہن جو چھوٹے چھوٹے بچوں کی بیوہ ماں ہے۔ اس کے لیے اتنا نہیں کر سکتی کہ چلو کم از کم بے چاری راشن کی فکر سے ہی آزاد ہو جائے۔ مگر نہیں، اسے تو اپنی ناک کی فکر ہے۔ سسرال کے سامنے کہیں کٹ نہ جائے۔ بہن کی گردن بھلے سے کٹتی رہے۔ تو کٹتی رہے۔"

دادا کی آواز بلند ہوتے ہوتے پھٹنے پر آ گئی۔ اس نے تیزی سے اٹھ کر پانی کا گلاس ان کے لبوں سے لگا دیا۔ پانی پی کر وہ قدرے پر سکون ہوئے مگر ابھی انہیں اور بھی بہت کچھ کہنا تھا۔

"دیتی تو ہیں دادا۔" اس نے دھیرے سے کہا۔

"ہاں اونٹ کے منہ میں زیرہ۔" دادا نے اسے گھورا۔

حورے کو چپ لگ گئی۔

بڑی پھپھو پیسے والی عورت تھیں۔ اپنے خیالات و نظریات دوسروں پر ٹھونسنے کی عادی جو انہوں نے کہہ دیا... جو کر دیا وہ ہی سب سے بہتر، حرف آخر۔

"اوہ...!" دادا پوتی ایک ساتھ چونکے چھت کا چلتا پنکھا بند ہو گیا تھا۔ لائٹ چلی گئی تھی چند لمحوں میں سارے میں جنریٹرز کی گھوں گھوں کا شور ہونے لگا۔ اس پر لکڑیوں پر کیل ٹھونکنے کی آوازیں... فرنیچر پالش کی مخصوص بو لکڑیوں کے اٹھانے پٹخنے کی آوازیں...

"اچھا آپ اداس مت ہوں۔ سبکتگین کو جاب مل جائے گی، تب سب ٹھیک ہو جائے گا۔ کارخانے کا سارا کرایہ ہم زیبی پھپھو کو دیا کریں گے اور سبکتگین کی ساری سیلری سے ہم تینوں عیش کریں گے۔" اس سے دادا کی دل گرفتی برداشت نہ ہوئی تو امید کے کچھ جگنو تھمانے چاہے۔

"سبکتگین!" دادا نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ "اس کے لیے بھی تو مختار سے کہا تھا نا (مختار... پھپھو مہر النساء کے شوہر نامدار) کہ قابل لڑکا ہے۔ اسے اپنے ساتھ ہی کہیں کھپا لے مگر نہیں۔ بجائے اس کے کہتا جی سسر صاحب میں کچھ کرتا ہوں بولا، آپ کا پوتا پڑھا لکھا بندہ ہے۔ میں ٹھہرا کنوؤں کا بیوپاری... میں کہاں بناؤں اس کی جگہ... ارے کام کرنے کی نیت ہونی چاہیے اور کوئی کام نہ دیتا کنوؤں کی گنتی پر ہی لگا دیتا مگر نہیں۔"

"کنوؤں کی گنتی۔" حورے کی ہنسی چھوٹ گئی۔ مگر دادا کے چہرے کا اضمحلال دیکھ کر ہونٹ بھینچ لیے۔

"جب یوں نہیں مانا تب میں نے ساری انا پیچھے ڈال کر کہا چلو کچھ رقم قرض حسنہ کے طور پر دے دو۔ میں سبکتگین کو کوئی موبائل شاپ یا کوئی اور کام شروع کروا دوں۔ تب بولا کنوؤں کی فصل اچھی نہیں ہوئی۔ کاروبار خسارے میں جا رہا ہے۔ اس سے کہیں نوکری ڈھونڈے اونہہ بڑا آیا مشورہ بیگ۔"

دادا اس وقت اذیت پسند ہو رہے تھے۔ بولتے ہی جاتے تھے جبکہ وہ ششدر تھی۔ دادا کی نظر اس پر پڑی۔

"تمہیں کیا ہوا؟"

"آپ نے سبکتگین کے لیے یہ بات کہی... قرض والی۔"

"ہاں تو کیا غلط کیا؟"

"اور اگر اسے پتا چل جائے تو...؟"

"تو...؟" اسے کون بتا رہا ہے میں یا تم...؟"

"قرض اتارنا تو سبکتگین کو پڑتا نا۔" اس نے آہستگی سے کہا۔

"تو نہ اتارتا۔ کہہ دیتا۔ بڈھا مر کھپ گیا۔ وہ جانے اس کا کام جانے، پہلے ہی زندگی گناہوں کی پٹاری ہے

اک گناہ اور سہی۔" دادا کی آواز بھرا گئی۔
"دادا...!" وہ بے چین ہو کران سے لپٹ گئی۔
"ہٹ جاؤ..." دادا کسمسائے۔" مجھے جذباتی کرنے کی ضرورت نہیں۔"
"چھوڑیں دادا! اس وقت صرف یہ بتائیں' زینیا آ رہی ہے۔ کیا تیاری کروں؟"
"فریج خالی کر دو... اکیلی تو آئے گی نہیں۔ وہی حسب معمول کنوؤں کے بورے۔" دادا کا دل واقعی جلا ہوا تھا۔
"فریج کیوں... کسی سے ریڑھی مانگ لاتے ہیں۔ دس نمبر کے اسٹاپ پر سبکتگین کو کنوؤں کے ساتھ بھیج دیں گے۔" شام تک قیمت وصول..." وہ شرارت پر آمادہ تھی۔ پر دادا اچھل پڑے۔
"سبکتگین اب ریڑھی لگائے گا۔ میرا اتنا قابل پوتا۔ تم نے ایسا سوچا بھی کیسے حورے؟" وہ واقعی غصہ ہو گئے۔
"مذاق کر رہی تھی۔" وہ منمنائی۔
"مذاق میں بھی ایسی بات نہیں کرتے۔"
"آپ بھی تو زکواۃ لینے والی بات کرتے تھے۔ بڑی پھپھو سے چھوٹی پھپھو کے لیے۔" اسے وہ بات واقعی بہت معیوب لگی تھی۔ (دل کو چھری کی طرح کاٹتی ہوئی)
"وہ تو بس یونہی۔" دادا بھی جلا کٹا بول بول کر تھک گئے تھے۔

☼ ☼ ☼

دادا کے کسی جاننے والے نے سائٹ کی کسی گارمنٹ کمپنی میں کوالٹی چیکر کی جاب بتائی تھی۔ تنخواہ مناسب تھی۔ بہت زیادہ امید بھی تھی۔
وہ منیجر سے ملا۔ کالا' موٹا' بھدا اور کچھ کچھ کرپٹ دکھائی دیتا شخص... سبکتگین اندر داخل ہوا تو وہ سر جھکائے کاغذ پر کچھ لکھ رہا تھا۔ سلام پر اس نے نظریں بے ساختہ اٹھائیں تو خود بھی کھڑا ہو گیا۔ مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔ اور سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔
"جی میں سبکتگین معراج... زیدی صاحب نے آپ سے ملنے کا کہا تھا۔"
"اوہ... منیجر بری طرح چونکا' اس نے اپنا ہاتھ جیب میں چھپا لیا۔ وہ خفت کا شکار ہوا تھا۔ کوالٹی چیکر کی جاب کے لیے آنے والے نوجوان کو وہ ایکسپورٹ والوں کا افسر سمجھا تھا۔
یا کسٹم آفیسر... یا ڈاکٹر صاحب یا اوہو...
اب سبکتگین کا کیا قصور... اللہ نے اسے صورت ہی افسروں والی دی تھی۔ حالانکہ اس نے دسیوں دفعہ کی دھلی پینٹ شرٹ پہن رکھی تھی۔ لیکن دھلی نہ بھی ہوتی تو... ہیرا کوئلہ میں بھی دمکتا ہے۔
"بیٹھو..." اس کی آواز بھی بدل گئی تھی۔ پہلی نظر کے متاثر کن اور فدویانہ انداز کی جگہ اب ایک رعب ودھونس اور بے نیازی نمایاں تھی۔
"جی سر..."
"پڑھے لکھے لگتے ہو۔"
"جی...!" اس نے اختصار سے کام لیا۔
کتنا؟
"گزارے لائق سر..."
"ہُم...!" منیجر نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں جوڑ کر بننے والے دائرے کو بغور دیکھنا شروع کر دیا۔
"اس فیلڈ کا کچھ تجربہ...؟"
کام کروں گا تو تجربہ بھی ہو جائے گا۔"
"یہ نیشنل انسٹیٹیوٹ آف ٹیکسٹائل ڈیزائنگ یا گارمنٹ ڈیزائنگ سکھانے والا اسکول نہیں ہے برخوردار..."
"میں جانتا ہوں سر...!" سبکتین نے گہری نظر سے اسے دیکھا۔ منیجر نے انٹرویو اسٹارٹ کر دیا اور سبکتگین جس نے پڑھائی والے سوال کو نظرانداز کر دیا تھا۔ اس نے جان لیا' یہ نوکری ملنے والی نہیں ہے۔ اس نے اپنی تعلیمی قابلیت اور ڈگریوں کی فہرست رٹو

طوطے کی طرح سنادی
منیجر کے چہرے پر حسد کے بعد استہزا ءدر آیا۔
"چھوڑو یار..... یہ نوکری شوکری۔ اچھے خاصے گڈ لکنگ ہو۔ کسی ڈرامے شرامے میں کام کیوں نہیں کرتے۔"
سبکتگین نے چونک کر منیجر کو دیکھا اور غیر محسوس طریقے سے سی وی والی فائل پر ہاتھ رکھ دیے۔
"کرلوں گا سر..... اگر کوئی کام دے تو۔"
"تمہیں ٹرائی کرنا چاہیے۔"
"جی.." اس نے فائل زانو پر رکھ لی۔
"سر! آپ کا کوئی جاننے والا ہے میرا مطلب ہے کسی چینل پر یا پروڈکشن ہاؤس میں....."
"ارے نہیں یار!" منیجر نے قہقہہ لگایا۔ وہ جھینپ گیا تھا اور اسے حد سے زیادہ برا لگا تھا۔
"تو پھر کیسے سر..... بنا جان پہچان کے تو کوئی چینل والی سڑک پر سے گزرنے بھی نہیں دیتا۔"
"او یار..... تمہیں جان پہچان یا سفارش کی کیا ضرورت ہے۔ تمہاری تو شکل ہی تمہاری سفارش ہے۔"
"نہیں سر!" وہ کھڑا ہو گیا۔ "شکل سفارش نہیں ہو سکتی۔ جب میری فائل، میری یہ سی وی میری ملازمت کے لیے سفارش نہیں بن سکی تو میری شکل بھی میرے کسی کام کی نہیں۔"
سبکتگین خاموشی سے باہر نکل گیا۔ اس کی صورت پیاری تھی۔ بچپن میں اماں نے بتایا تھا۔ پھر کلاس میں ٹیچرز بھی بہت پیار کرتی تھیں۔ دادا زبردستی اس کے ماتھے پر یہ بڑا کالا ٹیکہ لگوایا کرتے تھے۔ پھر جوانی کے دنوں میں ایک ایسا دور بھی آیا جب آئینہ چیخ چیخ کر بتانے لگا۔ سوہنیو..... او ہو..... ہو۔
یونی ورسٹی میں اسے پرنس کہتے تھے اور لڑکیاں اسے کن اکھیوں سے دیکھتی تھیں اور پھر گھر میں حورے جو ان گنت بار ٹکٹکی باندھ کر دیکھتی، رنگے ہاتھوں پکڑے گئی۔

"کیا دیکھ رہی ہو؟" وہ رعب سے پوچھتا۔
"کچھ نہیں....." وہ صاف مکر جاتی۔
وہ حالات کا ستایا گردو پیش سے، اپنے آپ سے بے خبر ضرور تھا۔ مگر اتنا اندھا اور کم عقل بھی نہیں تھا کہ منیجر کی خود پر پڑی حاسدانہ نگاہوں کا مطلب نہ سمجھتا۔ منیجر کے بے ساختہ کھڑے ہونے اور پھر سٹپٹا کر بیٹھتے وقت ہی وہ جان گیا تھا۔ یہاں سے کچھ نہیں ملنے کا۔

اور اب بس کے انتظار میں کڑا اس کا گورا رنگ سرخی میں بدل رہا تھا۔ بس آگئی مگر یہ کیا۔
اس نے کھچا کھچ بھری بلکہ ابلتی بس کو دیکھا۔ کیا پیدل چل پڑے۔ مگر کہاں تک سائٹ ایریا کے جی سی بی کالج سے لالو کھیت دس نمبر..... خالی پیٹ "نہیں بابا، نہیں ہو سکتا۔"
"ٹائم خراب مت کرو، اوپر آجاؤ، پیچھے گاڑی نہیں ہے۔" کنڈیکٹر نے اسے چونکایا۔
"اوہ.....!" اس کی نظریں اوپر اٹھیں، چھت پر بیٹھے مسافر..... کسی ایک نے ہاتھ بڑھا دیا کہ وہ اپنی فائل دے دے اور اس نے دے دی، ایک پیر پائیدان پر جمایا، دوسرا سیڑھی پر، تیسرا سیڑھی پر اور یہ چھت کے اوپر..... اور وہ پہلی بار چھت پر بیٹھ کر سفر نہیں کر رہا تھا، مگر اس طرح پینٹ شرٹ ہمراہ فائل..... اب وہ شہر کو ذرا بلندی سے دیکھ رہا تھا۔
بس اب ناظم آباد کے درمیان سے گزر رہی تھی۔ دونوں طرف پانچ چھ منزلہ عمارتیں، پھر لالو کھیت کی فرنیچر مارکیٹ اور یہی اس کا اسٹاپ تھا۔
اور گھر میں دادا..... اور حورے..... وہ سوال پوچھتے تو مشکل..... اور نہ پوچھتے تو اور زیادہ مشکل.....
تو ایسا نہ کرے، ایک اور ٹکٹ کٹائے، جہاں تک بس جائے، وہ بھی ساتھ جائے، مگر جہاں تک بھی چلا جائے گھر تو لوٹنا ہی ہوتا ہے۔
اور کتنا تکلیف دہ ہوتا ہے یہ احساس کہ اپنے ہی گھر لوٹتے وقت قدم لڑکھڑائیں، اپنے ہی گھر جانے کا

دل نہ کرے 'اپنی ہی گلی بری لگے 'اپنے ہی لوگوں سے نظریں نہ ملائی جاسکیں۔

☼ ☼ ☼

لائٹ چلی گئی تھی۔ اس نے کمرے کی بالکنی میں کھلنے والی کھڑکیاں کھول دیں۔ وہ بالکنی میں کرسی پر بیٹھ کروال چننے لگی۔

نیچے گلی میں وہی لکڑیوں کی اٹھا پٹخ۔۔۔ شور۔۔۔ زندگی رواں دواں تھی۔ جمود بس اسے اپنے گھر میں لگتا تھا۔ ہاں اب یہ جو زینب کی آمد نے ہلچل پیدا کی تھی۔ وہ خوش تھی۔

زینیا سے کہیں بچپن میں ملاقات ہوئی تھی۔ جب وہ چھوٹی تھی اور پھپھو کے ساتھ لگ کر آئی تھی۔ دادا کا اعتراض اپنی جگہ مسلم تھا۔ "یہاں وہ کس چیز کا مزہ لے گی۔ بوڑھے نانا کے پاس تو وہ عیش و آرام نہیں 'جو اپنے گھر میں باپ نے دے رکھا ہے۔ غریب بھی ہوں اور بیمار بھی۔۔۔ وہ باغ باغیچوں کی مالک اور ہماری گیلری کے چار گملے ہیں' وہ بھی صحیح سے نہیں پنپتے۔"

"اللہ دادا۔۔۔ آپ کیا کیا سوچتے ہیں۔"

"بالکل صحیح سوچتا ہوں۔ وہ رہے گی کہاں؟"

"میرے ساتھ میرے کمرے میں۔۔۔" سبکتگین سے کہہ کر اس نے ایک چارپائی ڈلوا کر پیازی پھولوں والی بیڈ شیٹ بھی ڈال دی تھی۔

اور دیگر گھر کی تفصیلی صفائی بھی کروالی تھی۔

"وہ ملنے آرہی ہے یا انسپکشن کرنے۔۔۔" اس کی تیزی کو دیکھتے ہوئے سبکتین نے پوچھا تھا۔

"اللہ۔۔۔ مہمان کے استقبال کی تیاری تو کرتے ہیں نا۔۔۔"

"تیاری اور ایمرجنسی کے نفاذ میں فرق ہوتا ہے۔" اس نے تصحیح ضرور سمجھی۔

"ایمرجنسی کی بات نہیں ہے سبکتگین۔۔۔ روٹین سے کچھ ہٹ کر مہمان کی عزت افزائی ہوتی ہے۔ اسے بھی یہ احساس ہو کہ جو اتنی دور سے چل کر آرہا ہے۔ اس کے لیے ہم بھی منتظر ہیں۔ دیدہ و دل وا کیے منتظر ہیں۔"

"عید کارڈ لکھ رہی ہو۔۔۔ دیدہ و دل۔۔۔ منتظر۔۔۔" اس نے شرارت سے پوچھا۔

"ارے نہیں۔" وہ ہنس پڑی۔۔۔ "لیکن اس سے ہمارا کیا جاتا ہے کہ ہم اسے کچھ خاص ہونے کا احساس دلائیں 'دل خوش ہوتا ہے۔"

"اور تم یہ چاہتی ہو کہ میں تمہیں چھت پر لگا فانوس اتار دوں 'تاکہ تم اسے بھی چمکادو۔۔۔"

"ہاں اور اس میں نئے بلب بھی لگا دو۔۔۔ زمانے گزرے 'بلب فیوز ہوگئے دوبارہ لگائے ہی نہیں۔۔۔"

"جو حکم۔۔۔" وہ اسٹول لے آیا۔ پیتل 'لکڑی اور شیشوں کے چھوٹے ٹکڑوں سے بنا یہ فانوس دادا کے ہاتھوں کا بنا ہوا تھا۔

اس نے دادا کے سامنے بیٹھ کر ان کے ہنر کی بے حد تعریفیں کرتے ہوئے فانوس کی جھاڑ پونچھ کا کام کیا۔

سبکتگین نے نئے چھوٹے بلب بھی لگا دیے۔ کمرے کا پینٹ بہت سال پہلے کا تھا 'مگر ان کے گھر میں کون سے بچے تھے جو دیواریں خراب کرتے۔ اس نے صرف نم گیلے کپڑے سے دیواریں دھوئیں۔ دھلے پردے لگائے 'بالکنی کی چق کو مرمت کی ضرورت تھی۔ اس نے پرانی سندھی اجرک کے چوکور ٹکڑے کاٹ کاٹ کر اس طرح سے جوڑے کہ وہ ڈیزائن سا بن گئے۔

ساری کارروائی سے فارغ ہو کر اس نے فانوس کے بلب جلائے تو کمرہ جگمگ کرنے لگا۔

"واہ!" اس نے خوشی کے عالم میں تالی پیٹی۔ سبکتگین نے مسکرا کر اسے داد دی۔ واقعی اس کی محنت رنگ لے آئی تھی۔

"کیسا لگ رہا ہے دادا! آپ بھی تو بولیں۔"

"کیسا لگنا ہے۔" دادا کا لہجہ بے زار تھا۔ "غریب اپنی غربت کو چھپانے کے لیے ہمیشہ سلیقے کا سہارا لیتا ہے۔"

"دادا!" وہ کرسی پر بیٹھ گئی۔ چہرہ اتر گیا۔
"کیا دادا! غلط تو نہیں کہہ رہا میں۔" وہ واقعی بہت افسردہ تھے۔
"کیا ہو گیا ہے آپ کو دادا..." سبکتگین کی نظریں اس کے اترے چہرے پر ٹکیں۔
"کچھ نہیں۔ سونے لگا ہوں... نہ سوؤں...؟" انہوں نے تخت پر لیٹ کر آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔
سبکتگین نے ٹھنڈی سانس بھری۔ "میں کون ہوتا ہے آپ کو منع کرنے والا... سوئیے ضرور سوئیے... بس حیران ہوں' مغرب کے وقت آپ کبھی سوتے تو نہیں..."
"جو کام کبھی نہ کیا ہو' وہ بھی کبھی کرنا پڑ جاتا ہے۔" دادا کی آنکھوں پر ہنوز بازو رکھا ہوا تھا' مگر بات بڑھائے جاتے تھے۔
"آپ ایسے کیوں ہو رہے ہیں دادا...؟" سبکتگین اپنی جگہ سے کھڑا ہوا وہ ان کے تخت پر جا کر بیٹھنا چاہ رہا تھا' مگر شٹ...
"اوہ...!" حورے کے منہ سے بھی تاسف زدہ پکار نکلی۔ لائٹ چلی گئی تھی۔ شیڈول سے ہٹ کر...
دادا نے آنکھوں سے بازو ہٹا کر دھیمے ہوتے پنکھے کے پر دیکھے۔ پھر ان دونوں کو "سجا لو گھر... جلالو فانوس..."
سبکتگین خاموشی سے کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ اپنا پھیلاوا سمیٹنے لگی' مگر اب انداز میں وہ جوش نہیں تھا۔ زینیا کی آمد کا سن کر اس نے دل سے اپنی خوشی کا اظہار کیا تھا اور دادا' وہ خط کے مندرجات پڑھتے جاتے تھے اور ماتھے پر تیوری گہری ہوتی جاتی تھی۔ بعد میں پھپھو کا فون بھی آگیا۔ دادا کو کچھ سالوں سے کسی قدر کم سنائی دینے لگا تھا اور فون کا استعمال تو یوں بھی مشکل لگتا تھا۔ پہلے تو بہت لمبا سا کھینچ کر "ہیں... ہیں..." اور "کیا کیا" کرتے رہے۔ پھر فون اسے تھما دیا۔
پھپھو کہہ رہی تھیں۔ "میں وہی سب کہہ رہی تھی جو خط میں لکھ کر بھیج چکی ہوں' اکلوتی لاڈلی بیٹی ہے' اس کی فرمائش پوری کیے بغیر رہ نہیں سکتی۔ اسے کراچی دیکھنے کا بڑا شوق ہے۔"
اس نے فون رکھ کر ساری باتیں دہرائیں۔ دادا کے منہ سنتے رہے۔ آخری جملے پر بھڑک اٹھے۔
"کراچی دیکھنے کا شوق ہے... کیوں..."
"لوگ نئے شہر دیکھنے کا شوق رکھتے ہیں دادا!" اس نے آسان وجہ بتائی۔
"کوئی نیا شہر نہیں ہے۔ بالکل پرانا' بابے آدم کے زمانے کا ہے یہ شہر... اور دیکھنے کو کیا بچا ہے۔ کچرے کے ڈھیر... بند نالیاں اور گٹر... اور رکشے اور ٹریفک جام اور..."
"ہم زینیا کی آمد کی بات کر رہے تھے دادا...!" اسے احساس ہوا' موضوع سے ہٹ گئے تھے دادا...
"ہاں تو کیوں آ رہی ہے وہ..."
اور پھر دادا منہ سر لپیٹ کر پڑ گئے تھے۔ وہ زینیا کے ماں' باپ سے خفا تھے۔ پتا نہیں ناراضی درست تھی یا غلط... مگر عتاب کا نشانہ زینیا بننے والی تھی۔
دوسری طرف سبکتگین نے زینیا کی آمد کی خبر اور دادا کا مذکورہ رد عمل اسی سے سنا۔ وہ اپنے جوش' دادا کے رویے پر حیرت۔ سب کا اظہار کر رہی تھی' وہ مسکرا دیا۔
"ہزار بار آئے بھئی... اس کے نانا کا گھر ہے آخر..."
"اور نانا ہی ماننے کو تیار نہیں ہیں۔" وہ بولی۔
"چھوڑو تم' وہ بس ایسے ہی غصہ ہیں۔ تم اپنی تیاری کرو۔"

اور اس کی تیاری صفائی' دھلائی اور جھاڑ پونچھ تک ہی محدود تھی۔ دادا تو ایسے اجنبی بن گئے تھے جیسے گھر کا حصہ ہی نہ ہوں۔ جبکہ سبکتگین نے اس کے ہاتھ میں تین ہزار روپے رکھے۔ "کچن کا سامان وغیرہ پورا رکھو۔"
"وہ تو پورا ہی ہے۔" دادا اکٹھا راشن ڈلوا دیتے ہیں۔" وہ نوٹوں کو نا سمجھی سے دیکھ رہی تھی۔

"اوبابا... میرا مطلب ہے' وہ جو تم کباب وغیرہ بناتی ہو اور ——— رول وغیرہ... اور ہاں جیم بھی...." وہ مسکرا کر اسے دیکھ رہا تھا جو حیرت زدہ تھی' تو سبکتگین کو سب یاد ہوتا تھا... کہ وہ کیا کیا کرتی ہے یا کرنا چاہتی ہے۔

یہ ہی تو وہ چاہ رہی تھی۔ کباب اور کوفتے فریزر ہو جاتے۔ چنے بھگو کر فریزر کر لیتی اور کچھ خاص چٹنیاں... لیکن اگر وہ یہ فرمائشیں دادا سے کرتی تو وہ اسے لیکچر تو دیتے ہی' خفا بھی ہو جاتے۔

"تم یہ سب سامان بھی لا دینا۔" اسے بروقت سوجھا۔

"نہیں... تم دادا سے منگوانا نا... انہیں ہی گوشت کی پہچان ہے۔"

"وہ لا کر دیں گے؟ اور خفا ہوں گے۔"

"ہاں... چلو میں لا دوں گا' بلکہ تم ایسا کیوں نہیں کرتیں' لسٹ بنا کر ایاز کو بھجوا دو' وہ کارخانے کے کسی لڑکے سے منگوا دے گا۔ دراصل میں دو ایک دن مصروف ہوں تو...."

"نا... نہیں..." اس نے تیزی سے سر ہلایا۔ "ایاز سے نہیں... اس سے کہنے کی کیا ضرورت ہے؟ میں منگوا لوں گی' تم پریشان مت ہو۔"

"تو ایاز لا دے گا نا... دادا بھی اسی کو اکثر کہہ دیتے ہیں۔" وہ حیرت سے اس کے بدکنے کو دیکھنے لگا۔

"ہاں... ٹھیک ہے' ایاز سے کہہ دوں گی' منگوا لوں گی۔ تم فکر نہ کرو۔" اس نے بحث کے بجائے ہامی بھری... ارادہ قطعی نہیں تھا۔

"اور سنو... کھیر بھی بنا لینا' جو تم باداموں والی بناتی ہو۔" وہ مسکرا کر کہہ رہا تھا۔

"تمہیں پسند ہے' تم نے بتایا نہیں کبھی...."

"میرا خیال تھا' تمہیں پتا ہو گا۔"

"مجھے اندازہ تھا... پر تم کون سا دل کی بات پتا لگنے دیتے ہو۔" اس کے لبوں سے پھسلا۔

"اچھا...!" اس نے بے ساختہ نگاہ اٹھائی تھی۔

"مجھے تو لگتا ہے میں کھلی کتاب کی طرح ہوں۔ میرا اندر باہر سب عیاں ہے۔"

"کوئی نہیں...." وہ جھینپ مٹانے کو پیسے سنبھالنے کے بہانے مڑ گئی۔

سبکتگین کی نظریں اس کی پشت پر ٹک گئیں۔ اس کی کچھ الجھی چوٹی' سادہ سے پرنٹ کا سیاہ و سفید جوڑا... اس کے پیر اور شفاف ایڑیاں۔ پیاری تھی' تو سر سے پیر تک پیاری تھی۔ نازک اور شفاف....

"کوئی اور فرمائش....؟" وہ خود پر قابو پا کر مڑی۔

"نہیں' کوئی نہیں...." اس نے چہرے سے سارے تاثرات مٹا دیے۔ کرم کیا کہ ظلم' خبر نہیں....

"بلکہ تم بتاؤ۔ یہ پیسے کافی ہوں گے یا...."

"ارے نہیں' بہت ہیں... میں مینیج کر لوں گی۔"

"مشکل میں پڑنے کی ضرورت نہیں... تم مجھ سے کہہ دینا...." وہ اسے ہمت دے رہا تھا۔

"کہہ دوں گی...." اس نے فرماں برادری سے سر ہلایا۔

خوش تھا سبکتگین... ورنہ زمانے گزرے وہ ہوں ہاں سے زیادہ جواب نہیں دیتا' یا پھر ہی میرا اندازہ کہ جس روز وہ دادا کو یا مجھے بھی خرچے کے حوالے سے یا کسی بھی کام کے لیے رقم دے تو خوش ہوتا ہے۔

اپنی جیبیں جھاڑ بھی دے' پھر بھی مطمئن ہوتا ہے۔

وہ کباب چڑھانے کے لیے دال چن رہی تھی اور اب یہ تھا کہ ذہن پر زور دے دے کر یاد کر رہی تھی' پچھلے چھ مہینوں میں... بلکہ پورے ایک سال میں وہ کب کب دل سے خوش ہوا تھا اور ہنسا تھا' دل سے.... اور کوئی دیکھتا تو پوچھتا۔ "بی بی تم یہ بتاؤ" "تمہیں یہ سب کیسے یاد ہے دن' تاریخ' وقت و موقع کے حساب سے۔"

اور پتا نہیں وہ جواب دے پاتی یا نہیں....

اور بھلے نہ دیتی چپ رہتی' مسکرا دیتی' نظر انداز کرتی' تب بھی آنکھ رکھنے والے جان جاتے' دماغ

والے سر ہلاتے اور دل والے۔۔۔ وہ کہتے۔ "ہمیں سب خبر ہے۔ ہمیں نہ بتاؤ۔۔۔ یوں ہی تو نہیں، سب یاد رہتا، بلکہ۔۔۔ بلا سبب تو نہیں کہ کچھ بھولتا ہی نہیں۔۔۔ ہر انسان کی زندگی میں ایک شخص ایسا ضرور ہوتا ہے، جو سونے سے پہلے بھی یاد رہتا ہے اور سونے کے بعد بھی۔۔۔

جاگنے سے پہلے بھی ساتھ ساتھ۔۔۔ اور جاگ جانے کے بعد بھی۔۔۔ ہمزاد بن جاتا ہے۔"

"ارے کب آئے گی لائٹ۔۔۔ کوئی جاکر کے الیکٹرک والوں سے پوچھے۔" دادا کی آواز پر وہ چونکی، مسکراہٹ سمٹ گئی، نہ جانے کہاں پہنچ کر واپس آئی تھی۔

"بیڑہ غرق کے الیکٹرک کا۔۔۔ لے کر دادا کی نیند توڑ دی۔ ابھی خاصی گہری نیند میں چلے گئے تھے، کوئی خواب ہی دیکھ رہے تھے جو ٹوٹا تو چہرے پر افسردگی نظر آنے لگی۔"

اور خواب تو وہ بھی دیکھ رہی تھی، جاگتی آنکھوں سے۔۔۔

☼ ☼ ☼

سبکتگین باہر سے لوٹا تھا۔ چہرے سے تھکان نمایاں تھی۔ اس نے پانی کی پوری بوتل خالی کردی، بال پریشان اور لباس شکنوں سے پُر ہونے کے باوجود وہ کچھ پرسکون دکھائی دے رہا تھا اور تیز ہاتھوں سے آٹا مسلتی حورے کو وجیہہ کچن کے اندر تک سنائی دے رہی تھی۔

"کچی نوکری کہاں ملتی ہے دادا۔۔۔ وہی تین مہینے کے لیے کچوں میں رکھا ہے، نوے دن یا سو دن۔۔۔"

اسے کسی دوائی کمپنی میں نوکری ملی تھی۔ ایسی نوکریاں وہ کئی بار کرچکا تھا۔ تین مہینے پورے، نوکری پوری۔۔۔

"وہی روٹین دادا۔۔۔ صبح آٹھ بجے نکلوں گا اور شام پانچ بجے چھٹی۔۔۔" وہ ہاتھ منہ دھونے کھڑا ہوگیا تھا۔

"روٹی جلدی لے آؤ حورے۔۔۔ بہت زوروں کی بھوک لگی ہے۔"

"ہاں۔۔۔ بس تم فریش ہوکر آؤ۔۔۔" اس نے چولہے کی آنچ بڑھائی۔

تازہ گندھا آٹا تھا۔ روٹی بنانی کچھ مشکل تھی۔ سارے گھر میں روٹی جھلانے کی تھپ تھپ آواز گونجنے لگی۔

دادا کے چہرے پر سکون تھا۔ دس بارہ ہزار مہینہ بعد ہاتھ آتے ہی۔۔۔ مگر۔۔۔ اس کے ٹیوشن والے چند لڑکے۔۔۔ دادا چونکے۔۔۔ وہ بال جھٹکتا آرہا تھا۔۔۔ دادا نے فوراً" پوچھ لیا۔

"میں منیج کرلوں گا دادا۔۔۔ آپ پریشان مت ہوں۔۔۔"

"تم تھک جاؤ گے سبکتگین۔۔۔" حورے سلاد کی پلیٹ لارہی تھی۔

وہ مسکرادیا، کچھ کہنے کے لیے لب کھولے، مگر دادا کی خفا آواز۔ چپ ہوگیا۔

"مرد نہیں تھکتا کبھی۔۔۔ بے وقوف لڑکی! کام کرنا مردوں کی شان ہوتا ہے۔ سر پر دوپٹا لپیٹ کر تو عورتیں بیٹھتی ہیں، یہ بھی کوئی۔۔۔"

دادا شروع ہوگئے تھے۔ حورے دادا کو گھورنے لگی۔ سبکتگین نے سر جھکا کر منہ میں کھیر الیا۔

"روٹی جل گئی ہے، نالائق لڑکی۔۔۔ تم مجھے گھورو۔۔۔" دادا دھاڑے، حورے اندر بھاگی۔

☼ ☼ ☼

تھا جس کا انتظار وہ شاہکار آگیا۔

شاہکار ہی تو تھی زینیا مختار۔۔۔ اس نے اسے بہت بچپن میں دیکھا تھا۔ وہ بہت دبلی پتلی اور پتلے نقوش کی حامل سانولی بچی تھی۔ پر اب جو یہ سامنے تھی۔

یہ بچی نہیں، ایک جوان لڑکی تھی اور سانولی تو کہیں سے نہیں تھی۔ گوری بھی نہیں تھی، مگر چمک خوب رہی تھی۔ دبلا پتلا وجود اب اسمارٹ کہلایا جاتا اور پتلے نقوش بہت دل فریب تھے۔ نازک ناک اور پتلے ہونٹوں پر گھنی پلکوں والی بڑی کچھ زیادہ ہی بڑی

آنکھیں۔
سبکتگین اسے اس کی پھپھو کے گھر سے لایا تھا۔ وہ سامان کے ہمراہ پیچھے تھا۔ وہ سیڑھیاں چڑھ کر اندر آئی۔ دادا بے تاثر، سنجیدہ چہرہ لیے بیٹھے تھے۔ قدموں کی چاپ پر کھڑے ہوگئے۔ وہ نظر آئی۔ اس نے دونوں کو دیکھا۔ ہاتھ میں لٹکتا بڑا بینڈ بیگ زمین پر چھوڑ کر دونوں ہاتھ پھیلا کر خالص فلمی انداز میں بھاگ کر دادا سے لپٹ گئی۔

"نانا... میرے نانا..."

"اللہ خیر..." اس نے حلق تر کیا۔ دادا سے کیا بعید... اتنے دنوں سے انہوں نے جو طوفان اٹھا رکھا تھا۔ پر یہ کیا... نواسی کے فلمی جملے کا جواب اتنا زیادہ فلمی...

"میری بچی...!" وہ لپٹے جاتی تھی، دادا لپٹائے جاتے تھے۔

"میری گڑیا...!" دادا نے دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھاما، پھر ماتھا بھی چوم لیا۔

ہائے اللہ جی... وہ سچ تھا یا یہ جھوٹ ہے۔

"وہ سب جھوٹ تھا اور یہ سچ ہے..." اس کی بڑبڑاہٹ سبکتگین تک پہنچ گئی تھی۔ کان میں پھونک کی طرح جواب آیا... اتنی قربت... وہ کچھ گڑبڑا کر سرک گئی۔

"ہوسکتا ہے یہاں نانا، نواسی کا ایک ڈوئٹ بھی ہوجائے۔"

"ڈوئٹ نانا نواسی کا..." اسے سبکتگین کی ذہنی حالت پہ شک ہوا۔

"ہاں لیکن جہاں تک میری معلومات ہیں، ایسا کوئی گانا ہندوپاک دونوں جگہ نہیں ہے۔" وہ بہت سنجیدگی سے اس سے جواب چاہ رہا تھا اور اس کی سوئی بھی سنجیدگی سے اٹک گئی تھی۔

"تیرے میرے پیار کا ایسا ناتا ہے۔ دیکھ کے تیری صورت دل کو چین آتا ہے۔"
وہ زیرلب گنگنائی۔

ادھر دادا، زینیا کو بازو کے گھیرے میں لیے لیے تخت پر جلوہ افروز ہوگئے۔

"بیٹا حورے... بہن کے لیے پانی وانی لاؤ۔"

"بہن... کل تک تو وہ لڑکی تھی اور آج بہن ہوگئی۔"

"اور اس سے تو تم واقف ہی ہوگی۔" اس نے لال سرخ روح افزا کا گلاس بڑھایا، تب دادا کو تعارف یاد آیا۔

"ہاں یہ عرشیہ..."

"اوں ہوں... عرشیہ نہیں... یہ حورے ہے... حور عرش... عرشیہ تو اس کی ماں میری ضد میں پکارتی تھی۔"

"ہاں میں یہ ہی سوچ رہی تھی۔ اس کا پورا نام کچھ عجیب مشکل ہے۔"

وہ الجھے، مگر دوستانہ انداز میں کہہ رہی تھی۔ وہ مسکرا دی، اسے یہ جملہ سننے کو ملتا ہی تھا اپنے نام کے حوالے سے...

"کوئی مشکل نہیں ہے۔ تم حورے کہنا میری طرح..."

"حورے... اوکے... تو حورے تم کیسی ہو..."

"میں ٹھیک ہوں..." وہ کچھ جھینپ گئی۔

"اور یہ سبکتگین ہے... تعارف تو ہوگیا ہوگا نا..."
(دادا کے پیش نظر دونوں کا ساتھ آنا تھا۔)

"ہوگیا تھا نانا... مگر اب اس کا بھی نک نیم بتا دیں۔ بڑا مشکل نام ہے۔" وہ بے چارگی سے بولی۔ دادا سمیت سب کی ہنسی نکل گئی۔

"رحم دل بادشاہ کہہ لوں..." اس نے آپشن دیا۔

"رحم دل بادشاہ، وہ کیوں بھئی...؟" دادا نہ سمجھے، جبکہ وہ دونوں مسکرانے لگے تھے۔

"بچپن میں نیک دل بادشاہ کی کہانی پڑھی تھی۔ وہ جو ہرن کا بچہ شکار کرکے قید کرلیتا ہے، مگر ماں کی آنکھوں کا دکھ، آنسو اور تڑپ دیکھ کر بچہ چھوڑ دیتا ہے۔ وہ بادشاہ سبکتگین ہی تھا نا..."

"اوہ ہو..." دادا نے سمجھ کر سر ہلایا۔
"بس میں تو رحم دل بادشاہ ہی کہوں گی..." میں نے فیصلہ سنا دیا۔
"جو دل چاہے کہنا..." دادا نے فری ہینڈ دے دیا۔
سبکتگین نے شانے اچکا کر حور عرش کو دیکھا۔ وہ مسکرا دی۔ ابھی تو اسے آئے چند منٹ ہی گزرے تھے۔ مگر پتا لگ گیا تھا۔ وہ اندازوں' قیافوں سے بالکل الگ تھی۔
مہو پھپھو اسی شہر میں پیدا ہو کر پل بڑھ کر بھی کنوؤں کے باغ کی چوہدرائن لگنے لگی تھیں۔ ان کے خالص اردو لب ولہجے پر پنجابی تلفظ کا رنگ چڑھ گیا تھا۔ سوتنیوں کا خیال تھا۔
وہ سرگودھا کی جٹی ہو گی' مگر وہ سرگودھن تو تھی' مگر جٹی ہرگز نہیں' بعد میں یہ خیال درست بھی ثابت ہوا۔

☼ ☼ ☼

"تم بہت اچھا کھانا بناتی ہو حور عرش..." زینیا کے ہاتھ میں بھری ہوئی پلیٹ پکوڑوں کی تھی۔
"شکریہ..." وہ بہت احتیاط سے پکوڑے کڑاہی سے نکال رہی تھی۔
"کس سے سیکھا؟"
"کسی سے بھی نہیں... خود ہی آگیا۔" اس نے آنچ دھیمی کی اور پوری طرح سے متوجہ ہوئی۔
"امی کہتی ہیں' کھانا بنانا سیکھ لو' ورنہ اگلے گھر جا کر ماں کی ناک کٹواؤں گی۔ میں نے کہا۔ کسی کی اتنی ہمت کہ میری ماں کی ناک کاٹے... کاٹنی ہے تو میری کاٹے فالٹ تو مجھ میں ہے نا۔"
"توبہ..." اس کی تشریح پر حور ے ہنستی چلی گئی۔
"سارا دن گھر میں رہ کر بس یہ ہی سب کام کرتی ہو' تم بور نہیں ہوتیں؟"
"بور کیوں ہونا ہے۔ کام ہی ختم نہیں ہوتے۔"
اس نے شانے اچکائے تھے۔

"ہوں... ہاں..." اسے کچھ دھیان آیا۔ "تم ایف بی پر ہو۔"
"ایف بی...؟ اوہ اچھا فیس بک... نہیں میرے پاس تو موبائل بھی نہیں ہے۔"
"واٹ... ریئلی... اسٹرینج..."
"ہاں... یقیناً" اس میں اتنی حیرت کی بات کی ہے۔" اس نے اسی کے انداز میں پوچھا۔
"یار آج کے زمانے میں کون ایسے رہتا ہے۔" وہ شاید ٹھیک کہہ رہی تھی۔
"کون مطلب... میں رہ رہی ہوں نا..." وہ دوبارہ کڑاہی سے پکوڑے نکالنے لگی۔
"تو... تو تم فارغ وقت میں کرتی کیا ہو؟"
"فارغ وقت تو ملتا ہی نہیں... اور اگر کبھی ملے تو میں بالکنی میں بیٹھ کر نیچے لوگوں کو دیکھتی ہوں۔ مجھے اچھا لگتا ہے ایسے... اخبار پڑھتی ہوں اور اگر لائٹ ہو تو دادا کے ساتھ بیٹھ کر نیوز دیکھ لیتی ہوں۔"
"ٹی وی بھی دیکھا تو نیوز... او خدا..." زینیا نے سر پر ہاتھ مارا...
"نیوز سے بڑی انٹرٹینمنٹ اور کون سی ہوتی ہے آج کل..." وہ مسکرا رہی تھی۔
"ہاں یہ بھی ٹھیک ہے۔" زینیا دروازے سے ہٹ گئی۔ پکوڑے بن چکے تھے۔
دادا نماز کے لیے گئے تھے۔ حورے نے ان کا حصہ ڈھک دیا اور ایک ڈھیر زینیا کی پلیٹ میں اور ڈال دیا۔ زینیا خوش خوراک تھی اور ساتھ ہی خوش قسمت بھی' جو بھی تھا سب ہضم... اسے موٹاپے کے خطرات نہیں تھے۔
دونوں بالکنی میں آگئیں۔
"تم تو بالکل بھی اپ ڈیٹ نہیں ہو۔ یہ بتاؤ اب شلوار قمیص کون پہنتا ہے۔" وہ اسے تنقیدی نگاہ سے دیکھ رہی تھی۔
"شلوار قمیص..." اس نے بری طرح چونک کر خود کو دیکھا۔ "سب ہی پہنتے ہیں۔"

"کوئی نہیں پہنتا۔" زینیا کے لہجے میں قطعیت تھی۔

"اب تو لڑکیاں ٹائٹس ٹراوزر سگریٹ پینٹس اور پلازو پہنتی ہیں۔ شلوار آوٹ آف فیشن ہے۔"

حورے کی نگاہیں اس پر اٹھ گئیں۔ وہ ٹائٹس پر گول دامن کی قمیص اور چنے ہوئے دوپٹے میں تھی۔ اس کے نازک اور لمبے سراپے پر یہ لباس بہت جچ رہا تھا۔ نازک سی اسٹائلش فلیٹ جوتی۔ جس نے ایک دو انچ چوڑی پٹی کی صورت صرف پیروں کی انگلیوں کو ڈھانپ رکھا تھا۔

کلائی پر چوڑے اسٹیپ والی بڑی سی گھڑی۔۔۔ شفاف لمبی گردن میں سونے کی دمکتی چین۔۔۔ کانوں میں سکے کی شکل جیسے ٹاپس تھے۔ جن پر لگی لکیریں اس کی شرٹ سے میچ ہوتی تھیں۔

اور جس دن وہ آئی تھی' تب وہ جینز کے اوپر لمبی اے لائن لینن کی قمیص اور دوپٹے میں تھی۔ پیروں میں سیاہ ویلوٹ کے جالی والے بند جوتے۔ سیاہ رسٹ واچ۔۔۔

منہ دھونے کے لیے مہنگا فیس واش۔۔۔ اور پھر وہ برانڈڈ نائٹ کریمز۔۔۔ اور سب سے زیادہ متوجہ کرنے والے پرفیومز۔۔۔ ایسی دلفریب مہک کہ حورے کو اپنا کمرہ عطر کی دکان لگنے لگا تھا۔ اجنبی سا مسحور کن احساس۔۔۔

وہ حور عرش سے عمر میں کم تھی۔ دبلے سراپے اور شوخی و بانکپن میں اور بھی چھوٹی دکھائی دیتی۔ حورے پچیسویں برس میں تھی۔ جبکہ وہ اکیس برس کی تھی۔

لیکن وہ تو اکیس چھوڑ سترہ برس میں بھی' ایسی شوخ و شنگ تتلی نہیں رہی تھی۔ بلکہ وہ تو کبھی بھی تتلی نہیں تھی۔ بس ایک عام سی لڑکی۔۔۔

بہت بچپن میں ماں باپ کے درمیان کی چپقلش۔۔۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتی تھی' مگر نظر آتی تھی۔ پھر ماں کا اسے چھوڑ کر چلے جانا۔۔۔ بہت بڑا صدمہ تھا اور پھر یہ کہ ماں نے کبھی پلٹ کر پوچھا تک نہیں۔ بہت بڑا روگ بن گیا تھا زندگی کا اور باپ۔۔۔ ہاں وہ الحمدللہ حیات تھا' مگر وہ اپنی خود کی ایک دنیا بسا چکا تھا۔ جس میں بیوی بچے سب تھے۔

وہ بچپن سے تنہائی کاٹتی بے بس و بے اختیار لڑکی تھی۔

قانع و شاکر۔۔۔

جوانی کے دن تو اس پر بھی آئے تھے' مگر جس طرح چپکے سے آئے' چپکے سے چلے بھی گئے اور ٹھہر کر کرتے بھی کیا؟

وہ اپنے خول میں سمٹی لڑکی تھی۔ ماں نہیں تھی۔ باپ بھی نہیں تھا۔ بہت سی ایسی باتیں تھیں جو ماں' باپ ہی سے کی جاتی ہیں۔ وہ انہیں اندر دبا لیتی تھیں' پھر جب اتنی ضروری باتیں وہ نہ کر سکی تو غیر ضروری کرنی بھی چھوڑ دیں اور پھر عادت ہی نہ رہی۔ دادا اور سبکتگین سے کیا کیا کہتی؟

اور زینیا نے فقط دو دن اس کے ساتھ گزار کر تیسرے دن کہہ دیا۔ اسے فیشن کا نہیں پتا اور وہ اچھے رنگ نہیں پہنتی۔

حورے قناعت پسند تھی۔ اس کے پاس یہ جواب موجود تھا کہ اچھے رنگ اچھے پیسوں سے ملتے ہیں۔ غریب کے گھر کا تو گلاب بھی پورے رنگ سے نہیں مہکتا۔ گیندا بھی پھیکا ہوتا ہے جیسے۔ کسی نے رنگ نچوڑ دیا ہو۔ مگر یہ بہت تلخ جواب ہوتا اور اسے کیا ضرورت کہ گھڑی بھر کی مہمان کے آگے حقیقت پسندی کی تلخی بیان کرتی۔۔۔ ہاں مگر اکیلے میں جب سوچنے بیٹھی۔۔۔ تب دل اتنا دکھا کہ بند ہونے کی کسر رہی۔

رنگ پیسوں سے تو آتے ہی ہیں۔ مگر رنگ تو مائیں خریدتی ہیں۔ اپنی بیٹیوں کے لیے لاڈ سے پیار سے۔۔۔

گلابی۔۔۔ دھانی' سرخ۔ اللہ صرف بیٹی بنا کر زمین پر بھیجتا ہے' وہ مائیں ہوتی ہیں جو سجا سنوار کر انہیں پریاں کر دیتی ہیں۔

اور اس کی ماں۔۔۔

تائی اس کے لباس و خوراک کا خیال رکھتی تھیں اس سے محبت بھی کرتی تھیں۔ مگر ایک بیوہ عورت کی زندگی سے بھی رنگ اڑ جاتے ہیں۔ پھیکے' بے رنگ'

بدمزہ رنگ وہ جس ہلکے رنگ کے تھان سے اپنے لیے ٹو پیس کٹواتیں اسی سے اس کے لیے بھی اور اپنا سینے بیٹھتی تو اس کی قمیص پر بھی برابر کی کٹنگ کرتی جاتیں ڈھیلے ڈھالے۔۔۔ اور اب وہ عادی ہو چکی تھی ڈھیلے ڈھالے شلوار قمیص کی' سو یہ ایک نیا جرم بھی آپ کے بہت سے جرائم میں شامل ہوا امی۔

وہ آنکھوں پر ہاتھ پھیر کے اٹھ گئی۔

باہر زینیا دادا کو اپنے تختی برابر موبائل پر نجانے کیا دکھا اور سنا رہی تھی۔ دادا کی ہنسی اور دلچسپی عروج پر تھی۔

تو پتا چلا زندگی کو تبدیلی درکار تھی۔

زندگی چاہتی ہے کہ ذرا رک کر باہر بھی جھانک لیا جائے' یہ ضروری ہوتا ہے ارتقا کے لیے۔۔۔ جینے کی وجوہات ملتی ہیں۔

وہ بھی اپنے دائرے میں خوش تھی۔ مگر ایک زندگی دائرے سے باہر بھی تو تھی اور زینیا مختار کی آمد نے وہ دروازہ کھول دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"ہم شاپنگ پر جا رہے ہیں نانا۔۔۔ آپ کے لیے کیا لائیں؟"

"میرے لیے۔۔۔" نانا حیران ہوئے۔

"ہاں آپ کے لیے اور تم اب کیوں دیر کر رہی ہو۔" وہ حورے کی طرف مڑی۔

"نا۔ نہیں کوئی دیر نہیں۔۔۔ بس دادا کے لیے چائے بنا کر فلاسک میں ڈال رہی تھی۔"

"ہاں وہ تو نظر آ رہا ہے مگر ابھی تک تیار نہیں ہوئیں۔"

"میں تیار ہوں زینیا مختار!"

"اور میں حیران ہوں حور عرش۔۔۔" وہ اسے سرتاپا دیکھ رہی تھی ٹھوڑی پہ ہاتھ جما لیا تھا۔

"میں ایسے ہی ٹھیک ہوں۔" وہ اعتماد سے بولی۔ "اور ویسے بھی میں نے عبایا لینا ہے' اندر جو بھی ہو چلے گا۔"

"عبایا....!" وہ حیران رہ گئی۔ "پر میں نے تو صرف دوپٹا لیا ہے۔" وہ کچھ فکر مند ہوئی۔

حورے مسکرائی۔ "تم ایسے ہی ٹھیک ہو بس سر پہ اچھی طرح سے اوڑھ لو۔"

"ویسے میں نے نوٹ کیا ہے کراچی میں عبایا کا استعمال بہت زیادہ ہے۔" وہ کمرے میں آکر عبایا پہننے لگی تھی اور زینیا پیچھے پیچھے تھی۔

"ہاں ہے تو۔"

"اور یہاں بسوں میں عورتوں اور مردوں کے لیے الگ پورشن ہوتے ہیں۔"

"ہاں.... ہوتے ہیں۔"

"پنجاب میں نہیں ہوتے' آپ کے ساتھ کوئی بھی ساجھا گاما جڑ کر بیٹھ جاتا ہے۔"

"ارے نہیں...." حورے کے ہاتھ رکے۔

"کراچی میں اگر کبھی غلطی سے بھی ایسا ہو جائے بلکہ غلطی چھوڑو لیڈیز پورشن میں جگہ ہو بھی تب بھی مرد اس طرف نہیں آسکتے۔ ڈنڈا پکڑ کے بس گرتے پھریں گے مگر جنگلے کے پار نہیں آسکتے۔"

"چلیں...."

"ہاں ہاں میں تو کب سے ریڈی ہوں۔" وہ پنجوں کے بل اونچی ہوئی۔ "اچھی لگ رہی ہوں ناں۔"

"ہاں...." تعریفی جملے حورے کے حلق میں اٹک گئے۔ قمیص کے پیچھے کمر سے نیچے دامن تک ایک بڑا ہٹا کٹا مرغا بنا.... نہیں مرغا نہیں یہ مور تھا۔

یہ کیسی قمیص ہے؟" اس کی آواز پھٹی پھٹی سی تھی۔

"اچھی قمیص ہے۔ میں مورنی ہوں۔" اس نے گردن اٹھائی۔ وہ بات کرتے کرتے کامن میں آگئی تھیں۔

"ہاں اس میں کیا شک...." دادا اپنے کسی معجون کی ڈبی کے اندر پوری آنکھ گھسائے ہوئے تھے۔ آوازوں پر سر اٹھایا' مورنی کی بات کی تائید فوراً" فرمائی "اتارو اسے فوراً"...."

"ارے واہ.... کیوں؟ اتنے شوق سے پہنی ہے۔"

وہ دور ہو کر کھڑی ہو گئی۔

"لڑکے آوازیں کسیں گے۔ مورنی کہیں گے زینیا۔"

"کہنے دو.... میں انہیں کوا کہہ دوں گی.... یہ کراچی کے لڑکے اتنے کالے کیوں ہوتے ہیں؟"

"ہائیں!" حورے کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ "کالے تو نہیں ہوتے سبکتگین کتنا گورا ہے۔"

"ہاں.... وہ تو واقعی گورا ہے۔"

"میں خود بہت گورا تھا یہ تو بڑھاپے اور شوگر اور بلڈ پریشر اور دل نے اس حال پر پہنچا دیا ورنہ...." دادا کو بھی الزام چبھا تھا اپنے دونوں ہاتھ ناخن چیک کرانے کے انداز میں آگے کر دیے۔

زینیا نے بغور دیکھا پھر صورت دیکھی اور کسی حد تک مانتے ہوئے اقرار میں گردن ہلا دی۔

"نیچے ایاز بھی گورا ہے۔" دادا کو دوسرا ثبوت بھی فوراً" یاد آگیا۔ حورے کا چہرہ تن گیا۔ یہ دادا بھی ناں اچھا خاصا وہ بھولے ہوئے تھی یاد کروا دیا اور ابھی سیڑھیاں اترتے ہوئے بھی وہ ساتھ ہی کرسی ڈال کر بیٹھا ہو گا۔ کھٹکے پر چونک کر اٹھے گا اور دیکھنا شروع کر دے گا۔

دیکھتا تو وہ یقیناً" پہلے بھی ہو گا۔ مگر رشتے والی بات کے بعد سے حورے کو زیادہ محسوس ہونے لگا تھا۔ اللہ کرے کہیں گیا ہوا ہو.... اس کے دل سے دعا نکلی۔ مگر پوری کیسے ہوتی.... دوسری طرف کتنے دنوں سے ایاز سوچ رہا تھا وہ نظر نہیں آتی۔ بس ایک جھلک اللہ میاں۔

یا اس کی طلب سچی تھی۔ یا وہ اللہ کو زیادہ پیارا تھا۔

وہ نیچے کرسی پر سینے پہ ہاتھ باندھے بیٹھا تھا۔ دیکھنے والوں کو لگتا تار پر بیٹھی چڑیوں کو تک رہا ہے۔ چوں چیں مارتی چہچہاتی چڑیاں۔ پر کدھر جی.... وہ تو سیڑھیوں کے اختتام پہ لگے۔ سیاہ جالی کے دروازے کو دیکھتا تھا۔ کچھ آوازیں نیچے آرہی تھیں۔ دادا' پوتی کے علاوہ ایک تیسری آواز مظفر معراج کی نواسی آئی ہوئی تھی۔ اس کی مصروفیت رہی ہو گی۔

جو حورعرش نے بالکنی میں آنا چھوڑ دیا تھا۔ ورنہ وہ بالکنی میں آتی تھی' تین چار گملے اسٹینڈ میں لگے تھے ان میں پانی ڈالتی۔ چڑیوں کے لیے آب خورے لٹکائے ہوئے تھے۔ پانی بدلتی باجرہ ڈالتی۔ وہ بالکل صاف دکھائی دیتی تھی۔

اور وہ نظر آجانے کی آس میں بالکنی کے نیچے کرسی ڈال کر گھنٹوں بیٹھا رہتا۔ سر اٹھا کر دیکھتا تو چوری بھی پکڑی جاتی اور دنیا کی نظروں میں بھی آجاتا اور اسے یہ مشکل یا تہمت اٹھانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔

کارخانے کے عین سامنے روڈ کے دوسری طرف بیڈ روم سیٹ کا شوروم تھا۔

پیچھے میچنگ کے پردے.... آگے بیڈ.... دائیں جانب الماری اور بائیں جانب سنگھار میز۔

ایاز کو اسی سنگھار میز کے آئینے میں اس کی جھلک دکھائی دیتی تھی۔

"یہ اندر مارکیٹ تک ہی تو جانا ہے۔ پیدل بھی جاسکتے ہیں' مگر ہم رکشہ کرلیں گے۔" یہ حورعرش کی آواز تھی ایاز چونک کر کھڑا ہوا۔ وہ اپنے پیچھے کسی سے مخاطب تھی یقیناً "دادا کی نواسی ہوگی۔

"ٹھیک ہے۔" پُرشوق انداز سے گردوپیش کو دیکھتی ایک لڑکی۔

ایاز الرٹ ہوگیا۔ اس نے سامنے سے گزرتے رکشے کو ہاتھ دے کر روکا اور دوسرے ہاتھ سے حیران و خفگی والے تاثر سے بھرپور آنکھوں والی حورعرش کو بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی' مگر نواسی اچک کر سوار ہوگئی تھی۔ ایاز نے کرایہ بھی ادا کردیا۔

حور نے ہونٹ بھینچ لیے۔ یہ پیسے تو میں لوٹا کر رہوں گی ایاز محمود! رکشے میں بیٹھی تب بھی خفا تھی۔

☼ ☼ ☼

"مجھے نہیں اچھا لگا یہ بازار۔" زینیا کا منہ بنا ہوا تھا وہ دونوں ہاتھوں سے پیروں کی انگلیاں داب رہی تھی۔

"یہ کیا کہہ رہی ہے حورے....؟" دادا نے اس سے پوچھا۔

"اس سے پوچھیں۔ رش ہونے کا شور کرتی رہی۔ کوئی چیز اسے پسند نہیں آئی۔"

دونوں لالوکھیت مارکیٹ گئی تھیں۔ زینیا کو بھی شاپنگ شاپنگ کا شوق چڑھا تھا۔ حورے کہاں بازار جاتی تھی پہلے' اس کے لیے چیزیں تائی امی لاتی تھیں۔ پھر دادا زیبی پھپھو کے ساتھ بھیجنے لگے تب بھی کمانڈ پھپھو ہی کرتی تھیں۔ اسے نہیں پتا تھا بازاروں کا.... نہ شاپنگ کا خاص تجربہ.... مگر زینیا نے کہا وہ سب جانتی ہے۔

مگر بازار جاکر ناک بھوں چڑھاتی رہی۔

"تو اور کیسے ہوتے ہیں بازار....؟" حورے مسلسل تنقید پر بازار میں بیچ و بیچ کھڑی ہوگئی۔

"تم مجھے مال لے کر جاتیں حورعرش.... پارک ٹاور یا پھر ڈولمین مال۔" "مگر میں تو کبھی مال نہیں گئی۔" اس کا لہجہ مجرمانہ ہوگیا۔

"کیا....؟ تو پھر شاپنگ کہاں سے کرتی ہو؟"

"کہیں سے بھی.... وہیں سے مینا بازار چلے جاتے ہیں کبھی کبھار۔"

"ہاں مینا بازار.... مجھے وہاں سے مہندی لگوا کر جانا ہے لازمی...."

"لگوالینا...." حورے کے ہاتھ میں کچھ سبزیوں کے شاپر تھے۔ مارکیٹ تک آگئی تھی تو لگے ہاتھوں یہ بھی سہی' مگر یہ زینیا مختار.... ایسے منہ اٹھا کر ہر چیز کو دیکھ رہی تھی جیسے عجوبہ ہو کوئی اور مجال ہے جو ایک بار بھی شاپر اٹھانے کے لیے اپنی خدمات پیش کی ہوں۔ ہر چیز کو ناگواری سے دیکھ رہی تھی۔

"بازار تو بازار ہوتا ہے زینیا!" وہ ہی کہہ سکی۔

"نہیں...." وہ زور دے کر بولی۔ "بازار اسٹینڈرڈ ہوتا ہے حورعرش۔"

"اسٹینڈرڈ تو جیب کا ہوتا ہے۔ آپ کی جیب ہلکی ہے آپ ہلکی چیز پر ہاتھ رکھیں گے جیب بھاری چوائس بھاری.... یہاں بھی سب ملتا ہے۔ تم دیکھتیں تو...." اس نے افسردگی سے کہا۔

"نہیں.... مجھے نہیں دیکھنا تھا۔ اچھا تم مجھے طارق

روڈ لے چلو۔" اسے ایک اور نام یاد آیا۔
"میں کبھی طارق روڈ نہیں گئی زینیا!"
"کیا۔۔۔؟" زینیا چیخی۔ "کیا بہت دور ہے؟"
"پتا نہیں۔۔۔ مجھے نہیں معلوم۔۔۔" اس نے پیروں کا وزن بدلا تھا۔ وہ کھڑے کھڑے تھک گئی تھی۔ جسمانی تھکن، دل کی دکھن۔ اس نے کب سنی تھیں ایسی باتیں۔ یہ نئے خیال و نظریے۔
"آؤ، تمہیں چاٹ کھلاؤں۔"
"رہنے دو۔"
"تم آؤ تو۔۔۔" وہ سبزی گلی سے الٹے ہاتھ مڑ گئی۔ ایک ہاتھ میں تھیلے سنبھالے دوسرے سے زینیا کا ہاتھ پکڑے وہ کس مشاقی و تیزی سے رش میں راستہ بناتی بڑھتی ہی جاتی تھی۔
دونوں پیڈسٹرین برج کے نیچے چاٹ والے کے اسٹول پر بیٹھ گئیں۔ حورے نے نقاب کھول دیا۔ وہ پسینے پسینے ہونے لگی تھی۔ مارچ کے مہینے میں گرمی کا یہ حال تھا۔ آگے خدا جانے کیا ہوتا۔ اور انداز کی بے زاری عیاں تھی۔ ہر چیز کو تنقید سے دیکھتی وہ بدمزہ لگتی تھی۔ حورے کی نگاہیں سامنے برتنوں کی دکان پر ٹک گئیں۔
سفید اور سیاہ امتزاج کا چینی کا ڈنر سیٹ جس کے کنارے سرخ تھے۔ اور کبھی اس کے پاس اتنے پیسے ہوں گے تو وہ اس دکان سے ایک سیٹ تو ضرور ہی لے گی اور زینیا کہتی ہے بازار اچھا نہیں۔
تنگ دلی اور سطحیت کی بھی تو کوئی حد ہوگی ہی۔۔۔ زمین کو بھی ایک حد تک کھود سکتے ہیں۔ وہ نجانے کیوں دل گرفتہ ہوتی جا رہی تھی۔
چاٹ والا کچی مٹی والی سفید پلیٹوں میں چاٹ دے گیا تھا۔
زینیا نے پلیٹ پکڑی تھی، مگر اس کے انداز میں ہچکچاہٹ تھی۔
حورے نے نظریں پھیر لیں۔ اپنی پلیٹ میں چاٹ مسالہ چھڑکا اور سر جھکا کر کھانے لگی۔ چاٹ حسب معمول مزے دار تھی۔ یہی ایک عیاشی، یہی ایک شوق جو سیدھی سادی حور عرش فرمایا کرتی تھی۔
زینیا نے حورے کی بے نیازی یا ناراضی کو محسوس کیا اور پھر جس طرح مزے سے وہ چاٹ کے چمچ بھر رہی تھی، زینیا نے بھی چمچہ منہ میں رکھ لیا۔
اور اسے چاٹ پسند آگئی۔ یہی نہیں اس نے بعد میں دہی بڑے بھی ٹرائی کیے۔ اس کا موڈ بہتر ہو گیا تھا۔ حورے بھی سارا ملال بھول کر خوش ہو گئی۔ واپسی کے سفر میں خوش گوار یت اور باتیں تھیں۔
مگر گھر آکر زینیا نے اپنی ساری شکایتیں دہرانا شروع کر دی تھیں۔ حورے اسے اس کے حال پر چھوڑ کر چائے بنانے چل دی۔
جبکہ دادا کا چہرہ کچھ اتر گیا تھا۔ پھر وہ آرام کرنے کا کہہ لیٹ گئے۔

٭ ٭ ٭

"غربت شرمندگی کے سوا کچھ بھی نہیں۔۔۔" دادا خود سے ہم کلام تھے گویا، حالانکہ وہ ہمہ تن گوش تھی۔ "اسی لیے تو میں اس کے آنے سے خوش نہیں تھا۔ میرے پاس تو اتنی گنجائش بھی نہیں کہ اسے جاتے ہوئے ایک اچھا جوڑا تحفتاً دے سکوں۔"
"چھوڑیں دادا! اسے کیا جوڑوں کی کمی ہے۔" اس نے بات اڑانا چاہی۔
"بات کمی کی نہیں ہے، وہ اتنے سالوں بعد اپنے نانا کے گھر آئی ہے۔ کیا دکھائے گی جا کر، نانا کوئی ڈھنگ کی چیز بھی نہ لے کر دے سکا۔ مہرو کو میرے سارے حالات معلوم تھے، اسے اس کو بھیجنا ہی نہیں چاہیے تھا۔"
"وہ اپنے کزنز کے ساتھ اپنے ددھیال کی شادی میں شرکت کرنے آئی تھی۔ آپ کو زیادہ دکھ ہوتا اگر وہ ملے بغیر چلی جاتی تو۔۔۔"
"ہاں ہوتا دکھ۔۔۔ مگر اس شرمندگی سے کم جواب ہو رہی ہے۔"
"سبکتگین کام پر لگا ہوا ہے۔ اسے سیلری ملے گی۔ کچھ نہ کچھ بندوبست ہو جائے گا۔ ہم اسے اس کی پسند

کے بازار سے پسند کی چیز دلوادیں گے دادا۔۔۔" وہ بھرپور طریقے سے تشفی کرنا چاہتی تھی۔

"زینیا بتارہی تھی اس نے جو وہ موتیوں والا جوتا پہنا تھا۔ وہ تین ہزار کا ہے؟؟"

اس نے نظریں اٹھا کر دیکھا۔ وہ سوال پوچھ رہے تھے اور جواب میں فقط انکار سننا چاہتے تھے۔

"آپ بھی کمال کرتے ہیں دادا۔۔۔ بھلا جوتا بھی تین ہزار کا ہوتا ہے۔ آپ کو سننے میں غلطی ہوئی ہوگی۔"

اس نے کسی بچے کو جھٹلانے کے سے انداز میں ہنس کر دکھایا تھا۔ ہنسی کھوکھلی تھی پر دادا کو اس وقت ایسے ہی یقین کی ضرورت تھی۔

دادا خاموش رہے۔ ہاں کم سننے والی بات وزن رکھتی تھی۔ وہ بھی چپ ہوگئی۔

☼ ☼ ☼

زینیا پھپھو یعنی اپنی اکلوتی خالہ سے ملنے کو بے قرار تھی، مگر دادا اسے وہاں بھیجنے میں متامل تھے۔ بیٹی کی باتیں عیاں ہوتیں وہ مشکل میں پڑجاتی للذا سبکتگین کو روانہ کیا کہ وہ اپنی پھپھو کو لے آئے۔

پھر خود سے اٹھ کر کپکپاتے ہاتھوں میں لاٹھی سنبھالتے نیچے اترے۔ مارکیٹ تک گئے۔ گوشت، پھل اور سلاد وغیرہ۔ اور ایک تھیلا مارکیٹ میں موجود ساری سبزیوں کا بھی تھا اور کچھ مزید پھل جو جاتے وقت بیٹی کے ساتھ کرنے تھے، بچوں کے کھانے کے لیے پاپڑ، بسکٹ اور ٹافیاں۔۔۔

"گاڑھے مسالے کا آلو گوشت اور مٹر پلاؤ بنالو۔ زیبو کو پسند ہے۔" دادا کی ہدایات جاری تھیں، وہ نہ بھی کہتے تو حورے کو سب دھیان رہتا تھا۔

"کیا زیبو خالہ کی دعوت ہورہی ہے۔" زینیا صبح سے مچی ہلچل پر پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

"دعوت ہی سمجھ لو۔ وہ دادا کی لاڈلی بیٹی ہیں اور جب سے پھوپھا جان کا انتقال ہوا ہے، دادا ان کے حوالے سے بہت حساس اور دکھی ہوگئے ہیں۔"

اس کے لہجے میں غم گھل گیا۔ زینیا نے سر ہلایا۔

حورے کام لگ گئی اور وہ اپنے موبائل پر۔۔۔

بچوں کے لیے کسٹرڈ بنا کر فریج میں ٹھنڈا ہونے کے لیے رکھ دیا تب دادا کی آمد ہوئی۔ تھیلوں کے وزن کے گمان میں وہ تیزی سے آگے آئی، دادا میں اب کہاں وزن اٹھانے کی سکت تھی، خود ہی کو بمشکل اٹھائے پھرتے تھے۔

"اللہ دادا! آپ کسی کو ساتھ لے جاتے اگر کہیں راستے میں گرگرا جاتے تو۔۔۔"

"اوہ۔۔۔!" اس کے باقی جملے منہ میں رہ گئے۔ دادا کے ساتھ کوئی تھا۔

تھیلے اسی کے ہاتھ میں تھے دادا تو صرف بلند آواز سے بولتے آرہے تھے۔

دادا آگے اور پیچھے۔۔۔ پیچھے ایاز۔

اس نے تیزی سے پلو سر پر ڈالا۔۔۔ چہرے پر سختی آگئی جو اگلے ہی پل ناراضی میں بدل گئی۔ وہ نگاہوں میں شوق کا جہان آباد کیے اسے دیکھ رہا تھا۔

اور دادا۔۔۔ اس نے سخت ناراضی اور غصے سے انہیں دیکھا۔ وہ جانتے ہیں ناکہ وہ اس ایاز کے بچے کا سامنا نہیں چاہتی پھر بھی اسے اوپر تک لے آئے اور اب ہانپتے ہوئے اسے بیٹھنے اور اسے جلدی سے پانی لانے کا کہہ رہے تھے۔

وہ سارے تھیلے وہیں چھوڑ کر پیر پٹختی اندر بڑھ گئی۔ فریج کھولنے، بند کرنے۔۔۔ بوتل اٹھانے، گلاس پکڑنے سے لے کر ٹیبل پہ لاکر رکھنے تک کی آوازوں سے غصے کے درجہ حرارت کا پتا چلتا تھا۔ وہ سب سمجھتے ہوئے بھی انجان بنا مودب مسکرا رہا تھا۔

"شربت گھول لاتیں حورے۔۔۔" دادا کو اس پر افسوس ہوا۔

"آپ کو شوگر ہے دادا۔۔۔" اس نے دانت پیس کر کہا ڈھیٹ۔۔۔ ایاز کا سر جھکا ہوا تھا، مگر وہ مسکراہٹ اور خوشی۔۔۔

اسے لگ رہا تھا لاٹری نکلی ہے۔ واہ اللہ تیری رحمت۔۔۔

"بیٹا! میں ایاز کے لیے کہہ رہا تھا۔" دادا نے گلاس

تھامتے ہوئے کہا۔

"وہ... لاؤں... گھول کر... شربت..." اتنا بھونڈا انداز...

"نہیں یہ کافی ہے۔" وہ قناعت پسندی کے سارے مدارج طے کر گیا۔

اور نجانے یہ کتنی دیر بیٹھے گا؟

اور یہ ایاز... پہلے بھی بارہا دادا کے ساتھ اسی قسم کے کسی کام کے حساب سے اوپر آیا کرتا تھا۔ پھر دادا کے ساتھ نشست لگتی تو وقت گزرنے کا پتا ہی نہ چلتا۔

حورے دادا کے کہے بنا ہی چائے کا کپ رکھ آیا کرتی۔

اچھا تھا دادا کا دل بھی بہل جایا کرتا۔ دونوں خبروں پر تبصرہ کرتے اگر کوئی میچ ہوتا تو بات مزید بڑھ جاتی... ورنہ دادا کے اپنے قصے کیا کم تھے۔

بڑھاپے میں انسان کی ضروریات یقیناً" محدود ہو جاتی ہیں 'مگر ایک سامع کی طلب' سامع کی کمی... بڑے دکھوں کو جنم دیتی ہے۔ حورے دل ہی دل میں شکر گزار ہوتی ایاز دل جوئی کے فن سے واقف ہے۔ دادا کتنے مسرور دکھائی دیتے تھے اس سے باتیں کرتے ہوئے۔

وہ بہت دلچسپی سے کرید کرید کے اچھا۔ اچھا... پھر... نہیں نہیں... واقعی... یقین نہیں آتا جیسے جملے کہہ کر بات بڑھاتا جاتا اور دادا کا جوشِ خطابت آسمان کو چھونے لگتا۔

لیکن یہ تو اس کی ماں کے آنے کے بعد معلوم ہوا۔ وہ جتنی دلچسپی سے دادا کو سن رہا ہوتا تھا اس سے دگنی چوگنی دلچسپی اسے حورے کی موجودگی سے محسوس ہوتی تھی۔ وہ سامنے نہیں آتی تھی۔ بہت غیر محسوس انداز سے چائے کی ٹرے رکھ جاتی۔ دادا کی پکار پر پانی لے آتی۔ بس لیکن پردے کے اس پار اس کی موجودگی۔ قدموں کی چاپ۔ کسی برتن کے گرنے تک کی آواز ایاز کی سماعتوں پر مدھر تار بن کر چھڑتی۔

اف یہ کیسی کشش تھی۔

اسے محبت کی کشش کے سارے فارمولے ازبر ہو گئے تھے 'مگر کیسی بدقسمتی... کوئی ایک فارمولا بھی من پسند جواب نہیں لایا۔ وہ کسی اور کی امانت تھی۔ سبکتگین معراج... اوہ...

ایاز کو حسد سے زیادہ رشک آیا۔ ہاں وہ سبکتگین تھا۔ حور عرش کے عین جوڑ کا... اور کاش اسے جوڑ توڑ آتا تو وہ اسے خود سے جوڑ لیتا اور سب سے توڑ کر... مگر محبت حشر اٹھانے کا نام تو نہیں۔

"یہ شاپرز اندر لے جاؤ بیٹا..." دادا نے دیکھا سب سامان وہیں کا وہیں پڑا ہے۔

"لے جاتی ہوں دادا... ذرا مہمان سے فارغ ہو لیں آپ..." اس نے جملے کا پہلا حصہ بلند اور دوسرا دانت بھینچ کر کہا۔

دادا تو نہیں چونکے پر ایاز سمجھ گیا۔

"میں چلتا ہوں دادا...!"

"کوئی آیا ہے حور عرش...؟" یہ زینیا تھی کانوں سے ہینڈ فری نکالتی وہ آرہی تھی۔ ایاز جالی کے دروازے کے پار جوتے پہن رہا تھا۔

"نہیں 'یہ تو دادا کا کوئی جاننے والا تھا۔ دادا کی ہیلپ کے لیے شاپرز وغیرہ اٹھا کر اوپر تک آگیا تھا۔" حور شاپرز اٹھانے آگئی تھی۔ نیچے اترتے ایاز کے قدم من من کے ہو گئے۔ شکستہ لڑکھڑاتے ہوئے۔

"کوئی جاننے والا..." حقیقتیں ہمیشہ افسردہ کرتی ہیں 'کڑوی کریلے سی چبھتی' کانٹے کی طرح۔ "کوئی جاننے والا آہ۔"

☆ ☆ ☆

نیو پھپھو کے خوب صورت نقوش پر ایک اداسی اور درد... تکان اور اضمحلال کا ڈیرہ 'مگر اس وقت خوش تھیں۔ زندگی اب مشقت کے علاوہ کچھ نہیں تھی تو آج کا یہ آرام... عیش لگ رہا تھا۔

"آپ کو ڈاکٹر سے ایک تفصیلی معائنہ کروالینا چاہیے پھپھو...!" حورے گرین ٹی کی پیالیاں لے کر آئی۔ "ایسے باربار بخار اچھی بات نہیں۔" وہ واقعی فکر مند تھی۔

پھپھو کے چہرے پر زردی کھنڈی تھی۔

"بالکل نہیں۔۔۔ آرام سے بیٹھنے دو اسے۔۔۔ کتنے عرصے بعد اسے یوں ہنستا مسکراتا دیکھ رہی ہوں۔"

پھپھو کی نگاہیں کچھ فاصلے پہ زمین پر نشست لگائے سبکتگین، زینیا اور اپنے چاروں بچوں پر تھیں۔ لڈو کی بازی چل رہی تھی۔

پھپھو کے چاروں بچوں کو اپنی یہ کزن بہت پسند آئی تھی۔

پیار تو حورے باجی بھی کرتی تھیں۔ ان کے لیے ان کی پسند کے کھانے بناتی تھیں۔ باتیں بھی کرتی تھیں اور کہانیاں تو لازما" سناتی تھیں۔

مگر یہ زینیا باجی۔۔۔ جیسے کھیل رہی تھیں، سکس آنے پہ بیٹھے بیٹھے اچھل پڑتیں گوٹ مار لینے پر اپنے فرضی کالر جھاڑتیں۔ کانا آنے پر گھٹنوں میں منہ دے کر ہل ہل کر رونے لگتیں۔ ایک وقت تو ایسا آیا کہ عینا' مینا سے دل گرفتی دیکھی نہ گئی۔ عمیر سات برس کا تھا۔ وہ تو کندھے سے کندھے جوڑ کر رونے بھی لگا دونوں بہنوں نے باہمی مشاورت سے ایک اور دام لینے کا کہا تب آنسو اور ہچکیاں تھمیں۔ علی اور سبکتگین یہ ساری ہوشیاریاں دیکھ رہے تھے۔

زینیا نے ہار اور جیت دونوں صورتوں میں گفٹ دینے کی بات کی تھی۔

ہار گئی تو ہرجانہ۔

جیت گئی تو خوشی۔۔۔ منہ مانگا انعام دینے کا اعلان۔۔۔ بچے بے فکری سے کھیل رہے تھے۔

"حیثیت ہو نہ ہو' کچھ تو دینا پڑے گا حورے۔۔۔ اکلوتی بھانجی ہے وہ میری اور پہلی بار ملنے آئی ہے۔"

پھپھو کی نگاہیں زینیا پر ہی جمی تھیں۔

"رہنے دیں۔ وہ سب حالات سے واقف ہی ہے۔ دادا نے سارے دکھڑے روئے ہوئے ہیں۔" اس نے انہیں ان کے ابا کی عادت یاد کروائی۔

"ہاں۔۔۔ مگر پھر بھی۔۔۔ ابھی تو تم مشورہ دو۔ اگلے اتوار کو میں اسے دعوت پر بلانے کا سوچ رہی ہوں۔ کیا شوق سے کھاتی ہے یہ۔۔۔؟"

"دعوت۔۔۔!" اس نے تیزی سے گھونٹ بھرا۔

"اس کی آپ فکر نہ کریں' دادا اسے آپ کے گھر بھیجنے والے ہی نہیں۔۔۔"

"ابا نہ بھیجیں۔۔۔" پھپھو نے اپنی پیالی خالی کر دی تھی۔ "میں خود بلواؤں گی۔"

"سبکتگین نے ہزار کا نوٹ دیا تھا۔ ابھی جب مجھے لینے آیا۔ اسی سے بندوبست کروں گی۔" پھپھو نے سنجیدگی سے بتایا۔

"اچھا۔۔۔!" حورے نے سانس بھری۔ "جیسے آپ کی مرضی۔۔۔ آپ کا دل ہے تو۔۔۔ ورنہ میرا تو خیال تھا' آپ کو خود پیسے کی ضرورت ہے تو۔۔۔"

"پیسے کی ضرورت تو مرنے کے بعد بھی ختم نہیں ہوتی۔۔۔" پھپھو نے سختی سے کہا۔ وہ سر ہلا کر رہ گئی۔

"کوئی تحفہ بھی تو بتا دو نا۔" پھپھو کو تھوڑی دیر بعد یاد آگیا۔ "ویسے مزاج کی تو سیدھی سادی لگی ہے مجھے یہ۔۔۔ کہیں سے بھی بڑے باپ کی بیٹی نہیں لگتی۔ کوئی نخرہ ہے ہی نہیں۔۔۔"

"ہاں یہ تو ہے۔" حورے نے تائید کی۔ "آپ کیا تحفہ دینا چاہتی ہیں اور کتنی رقم تک۔۔۔؟"

"وہی تو تم سے پوچھ رہی ہوں۔ کیا دوں۔۔۔ اور میری جیب کا بھی تمہیں اندازہ ہے۔ خالہ کے نام پر ماں کو کیا دکھائے گی۔ آپا کتنا کرتی ہیں میرے لیے۔۔۔ موقع مناسبت سے کپڑے بنا کر بھیجتی ہیں۔ سو اور بھی طریقے نکالتی ہیں۔ ابا یونہی ان سے خفا رہتے ہیں۔ وہ کون سا خود کماتی ہیں۔ شوہر ہی کی دست نگر ہیں' جو بھی کر دیں' بہت ہے۔" پھپھو شروع تھیں۔ حورے کی نگاہیں ان سب پر تھیں۔ پر وہ سر اثبات میں ہلا ہلا کر پھپھو سے متفق ہونے کا اشارہ دے رہی تھی۔ ساتھ ساتھ تحفہ پر بھی غور جاری تھا۔

"کشتی۔۔۔!" وہ یک دم اچھلی "آپ اسے کشتی لے دیں۔"

"کون سی کشتی۔۔۔؟" زینی پھپھو چونک گئیں۔

"وہ جو سیپیوں سے بنی ہوئی ہوتی ہے۔ سی ویو پر بکتی ہے۔ سیپیوں کی کشتی اور فوٹو فریم۔۔۔ اس دن ہم گئے تھے نا سی ویو تو یہ تو وہ سب چیزیں دیکھتے ہی بے قابو

ہو گئی، مگر رش بہت تھا تو سبکتگین نے کسی روز ذرا روشنی میں جا کر خریدنے کا کہہ کر روکا۔ آپ وہی لے دیں پھپھو!" اس نے خوشی سے بتایا۔

"ٹھیک ہے۔" پھپھو بھی مطمئن ہو گئیں۔

☆ ☆ ☆

وہ سر اٹھا کر "پاری مال" کے اندر کی روشنیاں اور جگمگاہٹیں دیکھ رہی تھی۔ اس نے خود پر قابو پانے کی بہت کوشش کی تھی، مگر یہ ڈر جا ہی نہیں رہا تھا کہ وہ اس چکنے چمکتے فرش پر پھسل جائے گی۔ جبکہ دوسری طرف زینیا آج ———— لمبی ہیل کے ساتھ بے فکری و بے نیازی سے چل رہی تھی، سبکتگین ساتھ تھا۔ حورے نے کئی بار اس کا چہرہ دیکھا۔

وہ زینیا کی طرح ایک پُرغرور تاثر کے ساتھ تو نہیں چلتا تھا، مگر وہ بااعتماد اور بے نیاز ضرور تھا۔

زینیا کے ہاتھ میں دیدہ زیب شاپنگ بیگز کا ڈھیر بڑھتا جا رہا تھا۔

"تم اپنے لیے بھی کچھ لے لو حورے....!" سبکتگین نے اس کے کان میں دھیرے سے کہا۔

"نہیں۔ مجھے کچھ نہیں لینا۔"

"کیوں.... دیکھو زینیا کو جس حساب سے وہ چیزیں خرید رہی ہے، تھوڑی دیر میں اسے اپنے لیے ایک ایکسٹرا ہاتھ بھی خریدنا پڑ جائے گا۔" وہ مزے سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"کیوں.... ہم اٹھائیں گے نا؟" وہ بولی۔

"اچھا، تم اپنے لیے یہ سوٹ لے لو...." اس نے ہینگر پر لگا ایک پیازی و سفید سوٹ سفید نگینے اور ابھری ابھری سی کڑھائی بہت خوب صورت تھی، مگر وہ بدک کر پیچھے ہوئی۔

"نہ بابا.... مجھے نہیں لینا۔"

"کیوں....؟" اس نے گھورا۔

"اس کی قیمت دیکھی ہے تم نے؟"

"اس کی خوب صورتی دیکھی ہے میں نے.... تم پر بہت سجے گا۔" اس کا جملہ سادہ تھا، مگر لہجے اور آنکھوں سے خواہش عیاں تھی۔

وہ خاموش ہو گئی۔

"جو میں نے پہنا ہے، وہ نہیں سج رہا؟" وہ نجانے کیا جاننا چاہ رہی تھی اور کیوں؟

سبکتگین کی نگاہیں اس کے سراپے پر ٹک گئیں۔ پرنٹڈ چوڑی دار رنگین پاجامہ پر وہ کالے کرتے دوپٹے میں ملبوس تھی۔ پیروں میں چھ سو والی سیاہ دوپٹی اور اس کے خوب صورت پیر.... گلابی ایڑیاں....

دھلا دھلایا چہرہ تھا۔ وہ کچھ نہ بھی لگاتی تو پیاری لگا کرتی تھی۔ آج تو گلابی مدھم سا لپ گلوس بھی لگا رکھا تھا۔ سبکتگین بھول گیا۔ وہ مال میں کھڑا ہے چاروں طرف لوگ ہیں اور آوازیں ہیں۔

اور پلکیں جھپکنا بھی کیوں.... خود حورے نے تو پوچھا تھا کہ کیا میں سج نہیں رہی۔

اب صحیح جواب کے لیے جائزہ ضروری تھا۔ جبکہ دوسری طرف حورے نے پہلو بدلا پھر پیر کا وزن بھی....

"بری لگ رہی ہوں...." اسے یہی خدشہ تھا۔ وہ اس سارے ماحول میں خود کو ویسے بھی مس فٹ اور ان ایزی فیل کر رہی تھی۔

"تم بری لگ سکتی ہو؟" اس نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"تو بولتے کیوں نہیں...."

"کیا....؟"

"کہ اچھی لگ رہی ہو...."

"بول دوں...." سبکتگین کے اندر نجانے کیا چل رہا تھا۔ ورنہ دو لفظ بولنے میں اتنی دقت.... حورے نے منہ بنا کر رخ موڑتے ہوئے اس کے ہاتھ سے ہینگر جھپٹ لیا تھا، وہ اسے واپس لگا رہی تھی۔

سبکتگین مسکراتے ہوئے اسٹینڈ کے دوسری طرف حورے کے مقابل آ گیا۔

"اتنی اچھی لگ رہی ہو کہ اس پورے مال میں تم جیسی ایک بھی نہیں...." اس کے ناراض ہاتھ رک گئے۔ نظریں اٹھائیں۔ خفگی ہنوز برقرار تھی۔

"صرف مال میں....؟"

"نہیں نہیں۔ مال سے باہر روڈ تک بھی۔۔۔" وہ شرارت پر آمادہ تھا۔

"صرف باہر والا روڈ۔۔۔؟" وہ بھی شریر ہوئی۔

"یار! پورے کراچی میں۔۔۔" اس نے حد کردی۔

"اب یہ نہ کہنا صرف کراچی۔۔۔" ساتھ ہی تنبیہہ بھی کی۔

"میں یہی کہوں گی صرف کراچی۔۔۔"

"سارا جہان کہہ دوں۔۔۔؟" وہ اسے تول رہا تھا۔

"کہنا تو چاہیے۔۔۔" اس نے انتہا کردی اور آگے بڑھ گئی۔ وہ پیچھے تھا۔

"پورا جہان کہنے کے لیے نہ جگہ مناسب ہے اور نہ وقت۔۔۔"

"اچھا بہانا ہے۔" وہ سیدھی چل رہی تھی۔

"تم مجھے اکسا رہی ہو۔"

"نہیں۔۔۔ مجھے ضرورت نہیں۔۔۔ مگر تم اتنی حجّت کی جگہ ایک جملہ کہہ دیتے کہ تم پر سوٹ سج رہا ہے۔" وہ شکوہ کناں ہوئی۔

"اور تم یہ کیوں نہیں سمجھ لیتیں کہ تمہیں پیارا بتانے کے لیے بیچ میں سوٹ کو لانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

صبح شام کا ساتھ تھا۔۔۔ ہمیشہ سے۔۔۔ مگر اتنی وضاحت سے یوں اچانک۔۔۔ حجت تمام ہوئی۔ حور عرش کے لب کپکپا گئے اور پلکیں لرز کر جھک گئیں۔ وہ بغور اسے دیکھ رہا تھا۔

"یہ زینیا کہاں رہ گئی؟" وہ لڑکی تھی اسے ہی سنبھلنا تھا۔ لڑکے تو بے قابو و بے خود ہوتے ہی ہیں۔ نرے بے قوف، نہ موقع دیکھتے ہیں نہ محل، اب بھلا یہ کوئی وقت اور جگہ تھی جہاں وہ شروع ہوا تھا۔ گھر میں تو زمانہ ہوا اس نے ضرورتاً بات کرنا بھی چھوڑ دی تھی یا پھر یہ کہ وہاں وہ غم روزگار و غم دنیا سے نبرد آزما رہتا تھا اور یہاں۔۔۔ اس کی جیب میں پیسے تھے یقیناً۔

اور یہ ماحول۔

اے سی کی ٹھنڈک اور خوشبو اور میوزک۔۔۔

تو کیا آج کے زمانے میں محبت اور اظہار کو بھی لگژریز درکار ہیں وہ خائف ہونے لگی۔

"تو پھر پیک کروالوں یہ سوٹ۔۔۔" سبکتگین نے سوال دہرایا۔

"یہ بہت مہنگا ہے سبکتگین۔۔۔"

"میرے پاس پیسے ہیں حورے۔۔۔"

"پھر بھی نہیں۔۔۔"

"میں ناراض ہو جاؤں گا۔" اس کے لہجے میں مان تھا۔

"میں بھی ناراض ہو جاؤں گی۔"

"بے وقوف۔۔۔ تمہیں کہنا تھا۔ میں تمہیں منالوں گی۔"

"لو خوامخواہ۔۔۔" اسے زور سے ہنسی آئی۔ سبکتگین اسے پیار سے دیکھتا ہی رہتا، مگر زینیا شاپرز بھرے دونوں ہاتھ لہرا لہرا کر انہیں بلا رہی تھی۔

دونوں آگے بڑھے۔

☼ ☼ ☼

شاپنگ کے بعد سبکتگین نے انہیں کھانا بھی کھلایا۔ تکہ اور پراٹھے۔۔۔ زینیا بریانی کی فرمائش کرتی رہی بقول اس کے بریانی کا جو ذائقہ کراچی میں ہے۔ وہ پورے پاکستان میں کہیں نہیں۔۔۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو زینیا! مگر آج تکہ پراٹھا ہی چلے گا۔ بریانی کسی اور دن۔۔۔ وعدہ پکا والا۔" زینیا کا منہ بنا دیکھ کر اس نے زور دے کر کہا۔ حورے نے سر جھکا لیا۔ اس نے فقط یہی خود کلامی کی تھی کہ

"باربی کیو کی کتنی مزے دار خوشبو آرہی ہے۔"

اور سبکتگین انہیں اوپن ایئر فوڈ کورٹ میں لے آیا تھا۔

گھر لوٹنے پر زینیا بی بی تو تھکاوٹ کا اظہار کرتے ہوئے بستر نشین ہو گئیں جبکہ حورے دادا کے کھانے کا انتظام کرنے لگی۔

مسور کی پتلی دال کے ساتھ پھلکا۔۔۔ اور دوائیوں کا سارا پروگرام۔ اسے ابھی تک کپڑے بدلنے کی فرصت بھی نہیں ملی تھی۔ زینیا کو چائے کا بڑا کپ بھی وہ اہتمام

سے دے آئی تھی۔ باتیں کرنے کا ارادہ تھا، مگر وہ فون پر اپنی امی سے بات کر رہی تھی۔ حورے اپنا کپ لے کر بالکنی میں آگئی۔

بحیرۂ عرب میں طوفان کا سنا تھا۔ ٹھنڈی ٹھار بوجھل ہوائیں تصدیق کا پیغام لائی تھیں۔ لائٹ چلے جانے پر بھی موسم کی خوشگواریت کم نہ ہوئی پھر بہت ہلکی سی بوندیں پڑنے لگیں۔ تب دادا کی فرمائش پر سبکتگین انہیں چھت پر لے گیا۔ حورے بھی چھت پر جانا چاہتی تھی، مگر زینیا ابھی مصروف تھی۔

فرنیچر گلی میں سناٹا تھا۔ پھر کچھ منچلے لڑکے شرٹ اتار کر گردن سے باندھے گلی میں بھاگتے نظر آئے۔ حورے نے اپنا ہاتھ لمبا کر کے باہر نکال دیا۔

بوندوں کی گنتی... ایک، دو، تین...

اندر زینیا اپنی ماں سے بات کر رہی تھی۔ وہ پنجابی بول رہی تھی۔ حورے کے لیے زبان سے زیادہ ناآشنائی زینیا کے لہجے سے تھی۔ زیادہ مشکل زیادہ تکلیف دہ...

بازار میں زینیا کو اپنے وہ کزنز مل گئے۔ جن کے ساتھ وہ شادی میں آئی تھی۔ وہ سب وہاں انجوائے کر رہے تھے اور یہ ادھر... وجہ وہی نانا سے ملنے کا شوق و محبت...

مگر ابھی جو وہ فون پر ماں سے کہہ رہی تھی۔

"سونی نوں تے اگ لگ گئی مینوں ویکھ کے... میں وی لفٹ نہیں کرائی۔ مال دے وچ ایس طراح کمدی سی جی وے پیو نے لے کر دیتا ہووے۔ یا فیر جمی ای ملاں دے اندر سی۔"

(سونی کو تو مجھے دیکھ کر آگ ہی لگ گئی، میں نے بھی لفٹ نہیں کرائی مال میں ایسے گھوم رہی تھی جیسے باپ نے خرید کر رہا ہو دیا پھر پیدا ابھی کسی مال کے اندر ہوئی ہو)

ایسے سمجھتی ہے جیسے لوگ بھول جاتے ہیں۔ پہلے اس کی دادی اپنی بیٹیوں کے بیاہ کے لیے ابو جی سے قرضہ مانگ کر لے جاتی تھی۔ اب اس کی ماں نے بھی ہمارا گھر دیکھ لیا۔ یہ تو اب اس کے بھائیوں کا باہر کام سیٹ ہوا تو... دوسے تیسرے سوٹ کی اوقات ہوگئی۔ جیسے مجھے یاد نہیں..."

ایسے خیالات... ہتک آمیز تحقیر بھرا لہجہ... غرور کی آنچ۔ اپنے پیسے کا غرور۔

یہ کون سی زینیا تھی وہ جو اتنے دنوں سے ان کے گھر تھی۔ وہ تو بہت پیاری سی تھی بے ضرر سی... جہاں بٹھا رہے تھے بیٹھ گئی۔ جو کھلا رہے تھے ہنسی خوشی کھا رہی تھی، اس نے کسی چیز پہ سوال نہیں کیا تھا، کوئی تنقید نہیں کی جبکہ ابھی وہ اپنی ماں کو بتا رہی تھی کہ فلاں نے وہی سوٹ چڑھا رکھا تھا جو دس اور جگہ پہن چکی تھی۔ سوچا ہوگا کراچی میں کس نے دیکھا ہے، یہ نہیں پتا پچھلے سال کے لان پرنٹ دور ہی سے پہچانے جاتے ہیں لوگ کوئی اندھے تھوڑی ہیں۔ تو پھر حورے کے کپڑے... اور زینیا ماں سے کہہ رہی تھی کہ پوسٹر پرنٹ ملے تو فائدہ کیا چھ چھ ہزار کا جوڑا لینے کا۔ تو وہ کس کو دھوکا دے رہی تھی۔ حورے کو اس گھر کے سب مکینوں کو یا پھر اس نے حورے کو کسی بھی کیٹیگری میں نہیں رکھا تھا۔ وہ اتنی نااہل تھی کہ مقابلے کی اس دوڑ میں میدان سے باہر کھڑے ہونے کی بھی حق دار نہیں تھی۔ کسی گنتی میں ہی نہیں تھی۔

حورے کا دل بالکل بجھ گیا۔ اندر زینیا کی آواز میں ہنوز جوش برقرار تھا اور صرف جوش ہی کیوں... طنز... تحقیر... سب۔

اس کے آنے کا سن کر حورے کے ذہن کے گوشے میں ایک سیدھی سادی دیہاتی لڑکی کا خیال آیا تھا۔ وہ سرگودھا کے کسی گاؤں سے آرہی تھی۔ جگمگ روشنیاں دیکھنے مگر پہنچی تو پتا چلا، وہ تو خود کسی مشعل کی طرح ہے۔ روشنی روشنی... تو یہ طے ہوا کہ پیسہ اہم ہے۔ حورے کا دل بھر آیا۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ اسے اصل دکھ کس بات کا ہے۔

"تم سوئیں نہیں حور عرش..." زینیا فون سے فراغت پا کر بالکنی میں چلی آئی تھی۔

"ہاں بس... بارش دیکھ رہی تھی۔"

"بارش...!" زینیا ہنس دی۔ "اسے تم بارش کہتی

ہو۔ بارش تو ہمارے ہاں ہوتی ہے۔ یہ چھاجوں چھاج۔۔۔ پہروں۔۔۔ دنوں تک۔"
حورے نے اسے بغور دیکھا جو ریلنگ سے دونوں ہاتھ باہر نکالے قطرے گننے لگی تھی۔۔۔ اس کا لہجہ سادہ تھا ریا اور استہزاء سے عاری۔۔۔ صاف ۔۔۔ شستہ لہجہ۔۔۔ سادہ مسکراہٹ، تو پھر ابھی اندر کون تھا۔ حورے گڑبڑائی۔

پتا نہیں وہ زیادہ معصوم تھی
یا
زینیا مختار زیادہ چالاک تھی۔

☼ ☼ ☼

وجہ واضح نہیں تھی۔ مگر حورے زینیا کے سامنے اپنے خول میں سمٹ سی گئی۔
شاید اس دن کی شاپنگ اور یک طرفہ گفتگو کو سن لینے کے بعد حورے نے اپنا آپ اس کا جائزہ لیا تھا۔ وہ خود سے الگ تو بہت پہلے ہی نظر آتی تھی۔ مگر جب خود سے برتر لگی تو وہ خود ہی کچھ پیچھے ہٹ گئی۔
اس وقت وہ دادا کے تخت پر براجمان کوئی بحث چھیڑے ہوئے تھی۔ سبکتگین سی وی تیار کر رہا تھا۔
کچی نوکری کوئی پکی تھوڑی تھی کہ بے فکر رہتا۔۔۔ درخواستیں جاتی رہتی تھیں۔ اتوار کے دن اخبار چھانٹ چھانٹ کر تراشے نکالنا سب سے اہم کام تھا۔
حورے دادا کی فرمائش پر بیسن کے پراٹھے ہمراہ لہسن اور سرخ مرچ کی چٹنی تیار کر رہی تھی۔
"اتنا مشکل نام سبکتگین معراج۔۔۔ اف۔۔۔"
"اس کی ماں نے رکھا تھا۔ گورنمنٹ اسکول ٹیچر تھی آخر وہ۔۔۔" دادا نے تعریف کی تھی کہ تنقید۔
"آپ کو نک نیم رکھنا چاہیے تھا۔"
"ہمیں ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی۔" دادا نے کہا۔
"تم رکھ لو بابا۔۔۔" سبکتگین کے ایک ہاتھ میں چائے کا کپ تھا اور دوسرے سے وہ کاغذ ترتیب سے لگا رہا تھا۔
"میں کیسے رکھ لوں۔۔۔ پیار کا نام تو امی، ابو رکھتے ہیں۔"
"غلط۔۔۔ پیار کا نام۔۔۔ جو بھی پیار کرے، وہ رکھ سکتا ہے۔" سبکتگین نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔ "تم بھائی جان کہہ لیا کرو۔" اس نے آرام سے کہا۔
"بھا۔۔۔ئی۔۔۔ جان۔۔۔!" زینیا کو اچھو لگا۔ بمشکل سنبھلی۔
"مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے بھائی جان کہنے کی۔۔۔ پہلے ہی میرے تین بھائی ہیں، مجھے کوئی نیا بھائی نہیں بنانا۔" وہ تو سخت عاجز تھی۔
"اونہوں! ماشاء اللہ کہتے ہیں۔" دادا نے تلقین فرمائی۔
"ہاں ہاں۔۔۔ ماشاء اللہ ہی کہتے ہیں دادا۔۔۔ وہ آپ نے دیکھا ہے انہیں۔۔۔ تینوں کو دیکھ کر اللہ کی شان ہی یاد آتی ہے۔ اتنی جگہ گھیرتے ہیں۔" اس نے چائے کا کپ رکھ کر ہاتھ پہلوؤں میں اکڑائے اور گال پُھلا لیے۔
کچن سے دیکھتی حورے کو بھی ہنسی آگئی۔
کتنا بے ساختہ، معصوم انداز تھا۔ تو پھر اس دن فون پر۔۔۔
وہ پھر اٹک گئی۔ زینیا کسی بات پر ہنس رہی تھی۔ جگمگاتی آنکھیں، پُرکشش چہرہ یا وہ اتنی معصوم ہے کہ جو دل میں ہوتا ہے کہہ دیتی ہے۔
اور دل کی باتیں تو انسان ماں ہی سے کرتا ہے۔
اور میری کون سی امی نے میرے ساتھ رشتہ بنایا تھا جو میں یہ سب سمجھوں۔۔۔ بلکہ میری امی تو میرے ساتھ کبھی تھیں ہی نہیں۔
وہ بیسن کے پراٹھے تلتے ہوئے خود کو سمجھا رہی تھی۔
اب زینیا سے تو کہہ نہیں سکتی تھی۔ تمہاری اس دن کی گفتگو سمجھ میں نہیں آئی کیا تم مجھے خود کو سمجھاؤ گی۔ ہاں۔۔۔
اندر کمرے میں زینیا نک نیم پر دادا اور سبکتگین سے بحث کر رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

"میں نہیں جاؤں گی کہیں بھی دادا....." حورے کے انداز میں ناراضی تھی۔
"بیٹا! اتنے پیار سے وہ بلانے آئی ہیں۔"
"بھلے.... مجھے پھر بھی نہیں جانا۔" اس کا انکار پتھر پر لکیر تھا جیسے۔
"شادی کے نو سال بعد صاحب اولاد ہوئی ہے ایاز کی بہن..... اس کی ماں نے اسی خوشی اور شکر میں قرآن خوانی اور عقیقہ کی دعوت رکھی ہے۔ اور ہم نہ جائیں۔"
"تو آپ چلے جائیں ناں!"
"تمہارا مسئلہ کیا ہے؟" دادا کی جان جل گئی تھی۔
"جیسے آپ جانتے نہیں۔" اس کی آواز مدھم ہو گئی۔
"اوہ۔!" دادا کی تیوری پر بل ابھرے۔ "بیٹا جہاں بیری ہو، وہاں پتھر آتے ہی ہیں..... انہیں تم اچھی لگیں رشتہ دے دیا۔ ہم نے سلیقے سے معذرت کرلی۔ بات ختم....."
"اور اگر یہ بات سبکتگین کو پتا لگ جائے تو..... دو منٹ کے اندر کارخانہ خالی کروالے گا اور جو طوفان اٹھائے گا وہ الگ....."
"کیوں کرے گا وہ ایسا۔؟" دادا انکاری تھے۔
"آپ پوچھ رہے ہیں۔ بھول گئے جب زیبی پھپھو کی نند نے اپنے دیور کا رشتہ دیا تھا۔"
"وہ تو پرانی بات ہے بیٹا۔ تب سبکتگین کو بھی اتنی عقل نہیں تھی۔" دادا نے بات ختم کر دی اپنے تئیں۔
"بات عقل کی نہیں دادا عزت کی ہے۔ اس وقت بھی اس نے یہی کہا تھا۔ ورا سے تو بالکل نہیں چھوڑے گا کہ۔" (جانتے بوجھتے کسی کی منگیتر کو اس خیال سے دیکھا ہی کیوں اور رشتہ بھی بھیج دیا۔ اس نے ایسا سوچا بھی کیسے.....)
کتنا حساس تھا وہ اس کے بارے میں.....
اور یہاں دادا کا تجاہل.....

☆ ☆ ☆

زیبی پھوپھو کی نند کے دیور والی کہانی اتنی خاص بھی نہیں تھی۔ مگر سبکتگین کے طوفان اٹھادینے سے تماشا ہی بن گئی..... یہ کوئی پانچ برس پرانی بات تھی۔ علی کے ختم قرآن کی خوشی میں پھوپھو نے اپنے گھر قرآن خوانی کا اہتمام کیا تھا۔
یہاں پھوپھو کی نند کے دیور نے حور عرش کو دیکھا۔ وہ ساری زندگی دبئی میں رہا تھا۔ عمر چالیس کے پیٹے میں تھی مگر ہنوز کنوارا تھا۔ وہی روایتی کہانی۔ وہاں مزدوریاں کر کے پاکستان میں سب کچھ سیٹ کرتے کرتے عمر آگے نکل گئی۔ اچھا گھر بنا دیا۔ بہن بھائیوں کو بھگتالیا۔ بینک بیلنس.....
اس کی اماں جس قدر سونا چڑھا سکتی تھیں۔ چڑھا کر آجاتی تھیں۔ اور پھر علی کے ختم قرآن کی تقریب میں تو سارا خاندان اکٹھا تھا۔ اس سے بڑھ کر نمود و نمائش کا مقصد اور کہاں ملتا۔ شومئی قسمت چھٹی پر آیا دبئی والا بیٹا بھی ہمراہ تھا اور کامن کے صوفے پر براجمان مسلسل شو مار تا تھا۔ اس کی گھڑی، اس کی چین..... اس کے جوتے..... اس کی جیکٹ اور اس کا دبئی..... سبکتگین کو وہ ایک آنکھ نہ بھایا۔
اور قرآن خوانی کے اگلے ہی روز..... وہ اپنی والدہ ماجدہ کے ہمراہ بنا کسی پیشگی اطلاع کے حورے کا رشتہ لے کر بہ نفس نفیس موجود تھا۔
دادا مسکرائے تھے۔ تائی نے بھی متانت سے سب سنا تھا۔
"مگر حورے تو بچپن ہی سے میرے سبکتگین کی منگیتر ہے۔"
"منگیتر۔" شیخ نے حیرت سے دہرایا۔ "وہ جو آپ کا بیٹا ہے عجیب سا نام ہے جس کا۔"
"جی عجیب سا ہی ہے سبکتگین....." جواب سبکتگین کی طرف سے آیا۔ اور دادا اور اس کی خود کی امی بری طرح گھبرا گئیں۔ وہ ابھی ہی آیا تھا۔
"تم جاؤ بیٹا..... بڑے بات کر رہے ہیں۔ تمہارا یہاں کیا کام....."
"بات میرے متعلق ہو رہی ہے امی..... میری

موجودگی ضروری ہے۔"

"ہم حور کی بات کررہے ہیں۔" دبئی کے شیخی خورے شیخو نے منہ میں رس گلا بھر کے حور کہا۔

"حور عرش نام ہے اس کا۔" سبکتگین کی آنکھیں سرخ ہوگئیں۔

"واقعی جس کسی نے نام رکھا ہے' خوب رکھا ہے۔"

"بچپن کی منگنی وغیرہ اب آج کے زمانے میں کہاں چلتی ہیں۔ پھر سبکتگین کو تو سیٹ ہونے میں ابھی عرصہ درکار ہے۔ جبکہ میرا سکندر مقدر کا سکندر ہے۔ کتنے سالوں سے میں اسے شادی کا کہہ رہی ہوں۔ مانتا ہی نہیں تھا۔ ایک سے ایک لڑکیاں دکھادیں.... پر حور کا نام اب اس نے خود لیا ہے۔ کہتا ہے شادی کرے گا تو حور ہی سے.... میں بڑی مجبور ہو کر بڑی امید لے کر آئی ہوں۔" ان کے جملے اتنے تکلیف دہ نہیں تھے جتنا انداز....

"یہ بچپن کی منگنی یا بڑوں کے فیصلے والی بات نہیں ہے بیٹی...." دادا متحمل تھے۔ "دونوں بچے بھی اس رشتے سے خوش ہیں ماشاء اللہ.... میں معذرت چاہوں گا۔" مقدر کے سکندر نے جلبلا کر ماں کو دیکھا۔ ماں نے ایک نظر سبکتگین کے سرخ چہرے پر ڈالی۔

"آپ ٹھیک کہتے ہوں گے مگر آپ ایک بار بچی سے پوچھیں۔ شادی کے بعد سکندر اپنے ساتھ لے کر جائے گا اسے.... اور وہاں دبئی کی زندگی.... اوہو.... عیش ہوتے عیش' مالز میں گھومنا' ہوٹلنگ' شاپنگ گھومنا گھمانا.... نہ فکر نہ فاقہ.... اور لڑکیوں کا کیا ہے جس کا نام مرضی ساتھ لیا جائے۔ محبت وہ شوہر ہی سے کرتی ہیں۔" ان کے انداز میں جتنی بے پروائی بھرتی جارہی تھی۔ دوسری طرف صورت حال الٹ تھی۔ طیش وضبط کی آخری حدیں۔

دادا نے پوتے کو دیکھا۔ "تم جاؤ سبکتگین۔"

"چلا جاؤں گا' دیکھ تو لوں بے غیرتی' بے شرمی کی کتنی سرحدیں پھلانگ سکتے ہیں یہ ماں بیٹا....." وہ دانت پیس کر بولا تھا۔ شیخ مسکرایا۔

وہ کچھ طنزیہ جتاتا جملہ کہنے والا تھا۔ جب مسکراتے چہرے کے ساتھ ٹرالی گھسیٹ کر حورے اندر داخل ہوئی۔ شیخو نے سبکتگین کو حقیر انداز سے دیکھ کر جواب دینے کا ارادہ ترک کردیا' وہ عجیب بے خودی کے عالم میں کھڑا ہوگیا تھا اور مسکراتی مگر بہت عجیب سی نگاہ سے حورے کو دیکھتا ہی چلا گیا۔ ماں نے فخر سے بیٹے کو دیکھا۔ اور پھر دادا کو اور دونوں کو.... کہ یہ دیکھو میرے بیٹے کی دیوانگی۔ اور شیخو کی نظریں ایسی تھیں' جو لڑکیوں کو کبھی بھی اچھی نہیں لگتیں۔ اور لڑکیوں کے گھر والوں کو....

سبکتگین جگہ سے کھڑا ہوا تھا۔ اور اگلے پل اس کی دھاڑ نے گیلری میں لگے آب خوروں سے پانی پیتی چڑیوں تک کا دم نکال لیا۔ گڑبڑا کر نیچے گریں۔ اف۔

"اندر جاؤ۔" وہ سب کو بھلا کر حورے سے مخاطب تھا۔ اور اس کے چہرے کے تاثرات....

حورے نے ایک نظر سب کو دیکھا' خاک سمجھ میں نہ آیا۔ مگر وہ بھیانک تاثرات و قطعیت.... وہ صوفے سے ٹکرائی مگر بھاگ لی۔

اور پھر باقی کی ساری صورت حال اس نے کھڑکی کے پردے کو دبوچ کر دیکھی اور دھڑکتے بے یقین دل سے سمجھی۔ اوخدا....

سبکتگین نے بس دھکے نہیں دیے تھے۔ اور گالی نہیں دی تھی۔ اور مارا نہیں تھا۔ حالانکہ اس کا چہرہ دیکھ کر صاف پتا لگتا تھا۔ وہ یہ سب کرنے کو بے تاب ہے۔ اس پر نہ ماں کی منت کا اثر ہو نہ دادا کے حکم کا۔

ماں بیٹا بھی ڈھیٹ ابن ڈھیٹ تھے۔ شیخو نے جالی کا دروازہ جو سبکتگین نے اس کے منہ پر دھاڑ سے بند کیا تھا۔ کے پار سے بھی اپنی خوبیاں' دولت' عیش و آرام اور اس محبت کا پتا دیا۔ جو اسے پہلی نظر میں ہوگئی تھی اور سبکتگین کسی اتھرے بیل کی طرف دروازے کی طرف لپکا تھا۔ مگر تائی نے اسے پیچھے سے جکڑ لیا۔ دادا بھی مددگار بنے اور دوسرے ہاتھ سے شیخو کو دفعان ہوجانے کا کہا۔

برا انہیں بھی لگا تھا۔ یہاں آنے سے پہلے زیبی

پھوپھو کے کان میں بات ڈالی تھی تو انہوں نے بتا دیا تھا کہ۔

تب ماں بیٹا نے تاریخی جملہ کہا۔

"منگنی تو ہوتی ہی ٹوٹنے کے لیے ہے اور سکندر مقدر کا سکندر ہے۔۔۔ اللہ اللہ۔"

ادھر سبکتگین ان دونوں کو تو بہت کچھ کہنے کے بعد بھی کچھ نہ کہہ سکنے کی حسرت سے زخمی شیر بن گیا۔ حورے اس کے عتاب کا نشانہ بنی۔ اس نے اسے اتنی سنائیں، اتنی سنائیں کہ حورے کے آنسو بھی خشک ہوگئے۔ کب تک روتی اور کیا کیا صفائیاں دیتی۔۔۔

"تمہیں اس کے سامنے جانا ہی نہیں چاہیے تھا۔"

اور دوسری طرف شیخو اور اس کی آدھی شیخیاں اماں نے ہار نہیں مانی کئی طرح سے زور ڈالا جس نے سبکتگین کے طیش میں اضافہ کر دیا۔ اور دادا کہتے ہیں کہ "ایاز کی اماں۔

اور یہ دادا بھی ناں سب بھول جاتے ہیں" اس نے جھرجھری لی تھی۔

☼ ☼ ☼

"تمہیں تو میں نے کبھی کپڑوں کے لیے اتنا پریشان ہوتے نہیں دیکھا حورے۔۔۔ پھر اب کیا ہے۔"

اسے پتا نہیں تھا کہ وہ کب سے اس کے الجھن زدہ متفکر چہرے پر نظریں جمائے بیٹھا ہے۔ جو کچھ جوڑے اپنے سامنے رکھے بیٹھی تھی اور کبھی ایک کو اٹھاتی تھی اور کبھی دوسرے کو۔۔۔ پھر اسے بھی رکھ دیتی تھی۔

"نہیں تو۔۔۔ بس ایسے ہی۔۔۔" اس نے فوراً" اپنے تاثرات مٹائے۔

"دراصل وہاں اتنے لوگ ہوں گے تو سمجھ میں نہیں آرہا۔ قرآن خوانی بھی ہے اور بعد میں دعوت تو۔" اس نے بات بنا ہی ڈالی۔

یہ نہ کہہ سکی کہ پیڈسٹل فین پر استری شدہ زینیا کے لباس کے آگے اسے اب ہر کپڑا نیچ لگ رہا تھا۔

بہت نفیس ملائم لان کا بیس کلیوں والا فراک۔۔۔ ہر کلی کی سلائی میں سلور باریک پائپن لگی تھی۔ بین کالر اور کرتا پٹی پر سلور نفیس کڑھائی۔ سلور تار والا نفیس شیفون دوپٹا۔ جس کے اندر کی جانب سلور جامہ وار کی دو انگل چوڑی پٹی لگی تھی۔ چوڑی دار پاجامہ اور رنگ والی جوتی جوڑے کی خوب صورتی نگاہ سے ہٹتی ہی نہ تھی۔

اور اس کے پاس کب ہوتے تھے اتنے کپڑے۔۔۔ اور پھر اتنے نفیس اور فیشن کے عین مطابق۔۔۔ دل بجھ گیا تو چہرے کی روشنیاں بھی ماند پڑ گئیں۔

"اسی لیے کہہ رہا تھا اس دن وہ پیازی سوٹ خرید لیتیں تم۔۔۔" اس نے مسکرا کر جتایا۔ وہ کچھ نہ بولی، بس دیکھ کر رہ گئی۔

"لگتا ہے۔ اب مجھے ہی کچھ کرنا پڑے گا۔" وہ اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

وہ اپنے غم میں پڑی تھی۔ ان سنی کر دی۔ چونکی تب جب گود میں ایک شاپر گرا۔

"یہ کیا ہے؟"

"کھول کر دیکھو۔" وہ مسکرا رہا تھا۔ وہ نہ سمجھی مگر ہدایت کے مطابق کھولنے لگی۔ "اوہ۔۔۔" اس کے ہونٹ سکڑے۔ نظریں اٹھا کر دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"یہ تو وہی سوٹ ہے ناں جو اس دن۔"

"ہاں وہی ہے۔" وہ تسلی سے بیٹھ گیا۔ "تمہاری سالگرہ کے لیے لیا تھا۔" پر تمہیں ابھی ضرورت ہے تو یہی صحیح وقت ہے۔" وہ مسکرا کر کہہ رہا تھا۔

"میری سالگرہ۔۔۔؟ پر اس میں تو ابھی بہت دن ہیں۔"

"ہاں۔۔۔ میں نے سوچا، خرید لوں۔ اپنی جیب کا تو تمہیں پتا ہے ناں؟ عین ٹائم پر کیا منہ لے کر گھر آتا۔"

"میں نے تو کبھی ایسی ڈیمانڈ نہیں کی سبکتگین!" اس کی آواز تاسف زدہ تھی۔

"ہوں۔۔۔" وہ کرسی پر کچھ آگے جھکا۔ "ایسے لوگوں کا تو پھر زیادہ خیال رکھنا پڑتا ہے۔" اس کے لہجے میں آنچ سی تھی۔ وہ غیر ارادی طور پر پیچھے کو ہوئی۔

"اب تیار ہو جاؤ، صرف دعوت ہی نہیں کھانی

سپارے بھی پڑھنے ہوں گے۔"

"ہاں... ہاں..." وہ ہنس پڑی، مسئلہ بھی حل ہو گیا تھا اور سبکتگین کی جانب سے تحفہ ملنے کی خوشی سب پر بھاری۔ زینیا کے سفید چاندی ملے سوٹ سے آنکھوں میں جو ٹھنڈک اتر رہی تھی، اسے بھول کر وہ دل سے تیار ہوئی۔

دادا نے ماشاء اللہ کہا... زینیا نے بھی سراہا۔ سبکتگین نے زبان کو تکلیف دینے کے بجائے یہ کام آنکھوں سے کر لیا۔ اور وہ شرما بھی گئی۔

پیازی اور سفید سوٹ... اس نے کچھ چوڑیاں بھی ہاتھ میں ڈال لیں۔

عام طور پر چوٹی بناتی تھی۔ آج بس ایک کیچر میں جکڑ کر بال کھلے چھوڑ دیے۔

ایاز کے گھر پہنچے تو اس کی امی نے گلے لگایا۔ ماتھا چوما اور دونوں... ہاتھوں میں موتیے کے خوب بھاری گجرے پہنا دیے۔

مانو بہار چھا گئی۔ خوشبو، رنگ... وہ کھل اٹھی۔

سبکتگین نے لمبا سانس لیا۔ سارے میں موتیا کی خوشبو چکرا رہی تھی، وہی جو حور عرش کے وجود سے بھی اٹھ رہی تھی۔ سب سے الگ ایاز... وہ بھی بہت خوش تھا۔

"تھی تو چوری... اور غلط حرکت مگر دل کو تاویلیں گھڑنا بھی خوب آتا ہے۔"

وہ اس کھڑکی کے پاس سے ہزار بار گزرا جہاں سے وہ صاف دکھتی تھی۔

☼ ☼ ☼

"کیسی بے بس زندگی ہے، بندہ واشنگ مشین تک اپنی مرضی سے نہیں لگا سکتا۔" اس نے جلے کٹے لہجے میں باآواز بلند کہا۔

"گھر کے کام کرنے تک کا شیڈول کے الیکٹرک والے طے کرتے ہیں۔ دو گھنٹے کا کام نہیں تھا یہ... اور اب شام ہونے کو آ رہی ہے۔ ابھی تک مکمل نہیں ہوا۔" وہ نچوڑنے ہوئے کپڑوں کی بالٹی اب چھت پر لے جا رہی تھی۔

چھت پر سبکتگین اور زینیا پہلے سے موجود تھے۔

زینیا اپنے کنوؤں کے باغ کے بارے میں تفصیلات بتا رہی تھی۔ اور باتوں میں سے ایسی ایسی نئی باتیں نکل رہی تھیں کہ کیا قصہ چہار درویش میں سے نکلتی ہوں گی۔

باغ سے روڈ... روڈ سے نہر... نہر سے دنگل... دنگل سے جنگل اور جنگل میں منگل پیدا کرنے والے اس کے تین بھائی...

ابھی اس بھائی کا قصہ تھا جو بہت موٹا تو تھا مگر ماہر تیراک تھا۔ نہر میں ادھر سے ڈبکی لگاتا تو دوسرے شہر سے ابھرتا۔

"شکر زینیا تم یہ نہیں کہہ رہی ہو کہ وہ نہر میں ڈوب کر سمندر سے نکلتا ہے۔" سبکتگین نے شگفتگی سے کہا۔

اس نے حورے کے کہے بغیر کپڑے لے کر تار پر ڈالنے شروع کر دیے تھے۔

حورے کی ہنسی چھوٹ گئی۔ "بھائی تھا کہ جن۔"

"میری جینز وغیرہ مت نچوڑنا، وزنی ہوتی ہیں۔ میں خود نچوڑلوں گا۔"

وہ اپنی شرٹس لائن سے تار پر ڈال رہا تھا۔ حورے اپنے کپڑے نیچے شلوار قمیص اوپر دوپٹا پھیلا کر کلپ لگا دیتی۔

اسے پسند نہیں تھا کہ عورت کے کپڑے یوں کھلے عام ہوا سے ڈولتے پھریں اور نظروں میں آئیں۔

"آپ دونوں شاید مذاق سمجھ رہے ہو۔" زینیا نے دونوں کی تقلید کرتے ہوئے بالٹی میں سے کپڑے نکال کر نچوڑتے ہوئے تار پر ڈالنے شروع کر دیے۔

"نہیں، ہم بالکل مذاق نہیں سمجھ رہے ہیں۔" ان دونوں کے منہ سے ایک ساتھ نکلا پھر ہنسی بھی آ گئی۔

"بلکہ ہم تو اتنے ٹیلنٹڈ بھائی سے ملنا چاہیں گے۔" سبکتگین نے کہا۔

"ہاں تو اس میں کیا مشکل ہے۔ سرگودھا آجاؤ۔" اس نے لاپروائی سے کہا۔

پھر زور دینے کے انداز میں دوبارہ منہ کھولا۔ کچھ یاد آگیا تھا۔

"تم یقین کرو سبک.... میرا یہ والا بھائی...."

شڑنگ گ گ گ.... حورے کے ہاتھ میں تولیہ.... تھا۔ اسے پتا بھی نہ چلا کہ کب پورے جسم کی طاقت اسے نچوڑنے میں لگ گئی۔ فرش پر بوچھاڑ سی گری۔

س.... ب.... ک۔ یعنی کہ سبک.... زینیا سبکتگین کو سبک کہہ رہی تھی۔"

وہ نام جو حورے نے بہت پیار سے اسے دل ہی دل میں دے رکھا تھا۔

بہت لجا کر اسے ایک دن یوں ہی خیال آیا تھا' وہ اسے شادی کے بعد سبک پکارے گی۔ جیسے وہ اسے کبھی حور کہہ دیتا تھا۔ حورے تو دادا کا دیا نام تھا۔ لیکن جب وہ دل سے پکارتا تھا تو حور....

اور اب یہاں.... اس نے سبکتگین کو دیکھا۔ وہ بیڈ شیٹ تار پر ڈال چکا تھا۔ زینیا دونوں سروں پر کلپ لگاتے ہوئے مسکرا کر کچھ کہہ رہی تھی' نجانے کیا....

اسے تو سبک کے بعد کچھ سنائی نہ دیا۔

☼ ☼ ☼

اس کے اعصاب شل ہوگئے۔ کتنا مشکل کام تھا کسی کی ٹوہ لگانا۔ یہ تو دن کا چین اور رات کی نیند اڑانے والا کام تھا۔ مگر شکر کی بات یہ تھی کہ اسے سب ٹھیک ملا۔

زینیا کے سبکتگین کو سبک کہنے کے پیچھے کچھ نہیں تھا۔

وہی اس کا بے خیالی اور بے ساختگی میں گفتگو کرنا.... وہ دادا کو بہت لاڈ سے نانا جانی بھی پکار لیتی تھی۔ اور حورے کو اس نے پورے نام سے پکارا' حور عرش اور سبکتگین کو سبک.... تو اس میں کچھ نہیں تھا۔ اس سے واقعی سبکتگین بولا نہیں جاتا تھا۔ جس دن سے آئی تھی کوئی دس بار تو نام مشکل ہے کا رونا پیٹ چکی تھی۔ اور تو کچھ نیا نہیں تھا.... قابل غور یا قابل تشویش۔

ہاں وہ سبکتگین کی مردانہ وجاہت و خوب صورتی کو بہت بے باکی سے سراہ چکی تھی۔ پر ایسا تو اس نے حور عرش کے لیے بھی کہا تھا۔

اس نے علی کی پسلی میں ٹھوکا دے کر یہ بھی کہا تھا۔

اسے اگر پتا ہوتا کہ اس کی خالہ کا اتنا حسین پتر ہے تو وہ پہلے ہی کراچی آجاتی۔ بلکہ دنیا میں کچھ لیٹ آتی یا پھر وہ جلدی آجاتا۔

اور علی اس اس طرح شرمایا تھا کہ کیا کوئی شرمیلی حسینہ شرماتی ہو۔ وہ بعد میں بغلیں جھانکتا پھرا' زینیا قہقہے لگاتی پائی گئی۔

عمیو تو تھا ہی پیارا بچہ.... وہ اپنی تعریف پر ماں کی گود میں گھس گیا۔

تو کچھ نہیں تھا زینیا کے انداز و بیان میں ایسا جو وہ وہم پالتی۔

مگر۔

مگر اس کا کیا کرتی اسے زینیا کے منہ سے سبکتگین کا سبک کہنا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

"خیر زینیا مختار تو اب جانے والی تھی۔

اتنے دنوں کی خوشگوار ہلچل اختتام پذیر ہونے کو تھی۔ پھر وہی گھر ہوتا' دادا' حورے اور بالکنی سے نیچے سڑک.... رواں دواں زندگی اور سبکتگین....

وہ کام سے لگا ہوا تھا۔ اس پر شاید گھر کے سناٹے کا اثر نہ ہوتا۔ اور شکر تھا کام لگا ہوا تھا۔ ورنہ فارغ ہوتا تو اس کے اندر کی کشمکش' الجھن اور تکلیف و اضطراب.... ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا تھا۔ ہر طرف اداسی' ناامیدی' نہ ہنسنے کو دل کرتا اور رویا بھی نہ جاتا۔ دادا خاموش ہو جاتے۔ تو وہ بھی دم سادھ لیتی۔

نیچے سے اٹھتا شور اعصاب شکن ہو جاتا۔ اپنا وجود لکڑی لگتا۔ جس پر ہر دم ہتھوڑی کی ضربیں لگتیں۔ مصائب اور ناامیدی کی کیلیں.... اندر کہیں جا کر گڑ جاتیں۔

☼ ☼ ☼

یہ کسی مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے نوے دن نہیں

تھے کہ گیارہ سال تک کھنچ جاتے' یہ تو ایک ملٹی نیشنل کمپنی کے نوے دن تھے جو گھڑی کی سوئیوں سے جوڑ دیے گئے تھے' نوے دن پورے ہوئے اور شام پانچ بجے سبکتگین معراج ایک بار پھر بے روزگار تھا' جانتا تھا۔ کہ یہی طے ہے اور یہی ہونا ہے' ہو کر رہے گا۔

آج اس کا بس میں بیٹھنے کا بھی دل نہیں کیا' وہ سائٹ کے علاقے سے لالوکھیت تک جانے کے لیے پیدل ہی چل پڑا۔

اچھے گزرے تھے یہ تین مہینے۔۔۔ مہمان داری بھی سنبھالی گئی۔ زینیا بہت خوش خوش اپنے گھر لوٹی تھی۔ حورے اسے تن زیب محل لے گئی تھی اور اس نے اس کی پسند سے لان کا خوب صورت سوٹ دلوایا پھر ناظم آباد کی چورنگی پر بیٹھ کر گول گپے بھی کھائے۔ وہاں سے دونوں رکشے میں بیٹھ کر مینا بازار پہنچیں اور زینیا نے کہنی سے اوپر تک دونوں ہاتھ مہندی سے بھر والیے' پیروں پر بھی پھول بنوائے اور درجن بھر کون مہندی خرید بھی لی۔ سرگودھا جا کر گفٹ کرنی تھی سب کو۔۔۔

وہ بہت مطمئن تھا۔ دادا بہت خوش تھے' حورے بھی مسکرا رہی تھی۔ زینیا کا جوش و خروش بھی دیدنی تھا۔ وہ جتنا زینیا کے آنے پر خفا تھے خود سے اور سب سے 'اب اتنا ہی اداس ہو رہے تھے۔

"دوبارہ کب آؤگی زینیا!"

"اب آپ آئیں گے نانا جانی۔۔۔!" وہ مسکرا کر کہہ رہی تھی۔ حورے نے سر ہلایا پر سبکتگین کی مسکراہٹ سمٹ گئی تھی۔ رات حورے اور زینیا کے شاپنگ سے آنے تک وہ مسرور تھا۔ دادا جو خوش تھے۔ حورے اور زینیا بھی۔۔۔ اپنے مہندی لگے ہاتھوں کو دیکھ دیکھ کر اس کا دل بھرتا ہی نہ تھا۔

اتنی پیاری مہندی۔۔۔ ایسی مہندی تو پورے سرگودھا میں کسی کو نہ لگانی آتی ہوگی اور یہاں چیزیں سستی ہوتی ہیں اور ورائٹی بھی بہت ہے۔ "اتنا برا بھی نہیں ہے کراچی۔۔۔" وہ شرارت سے دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

"کراچی برا ہے ہی نہیں۔۔۔" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

خوش گوار ماحول میں کھانا کھایا گیا۔

صبح دس بجے زینیا کو نکلنا تھا۔ سب ٹھیک ہو گیا تھا' لیکن سبکتگین نے اس کی گفتگو سن لی جو وہ اپنی امی سے کر رہی تھی ایسے میں اس کا لہجہ بالکل ہی بدل گیا تھا۔ الفاظ کا چناؤ بھی۔۔۔

"نہیں کوئی ضرورت نہیں۔۔۔ سارے گاڑی بھر کے ادھر آ کر مجھے لیں۔ میں سبک کے ساتھ ہی نکلوں گی۔ وہ مجھے اسٹیشن لے آئے گا۔ وہ سارے بھی ادھر ہی ہوں گے۔"

"حرج یہ ہے امی جی۔۔۔ کہ نانا کا گھر اور محلہ تو آپ نے دیکھ رکھا ہے نا' سارے شریکوں کو باتیں بنانے کا موقع مل جائے گا۔ نیچے لکڑیوں کا ڈھیر۔۔۔ برادے کا غبار جس میں سانس گھٹتی ہے اور اوپر چوبارہ۔۔۔ تین کمرے ان ساروں کے بیٹھنے کے لیے تو کرسیاں بھی پوری نہیں ہونی۔۔۔ اور پھر زندگی بھر کی ہنسی میں اپنی ہتک برداشت نہیں کر سکتی' میں خود پہنچ جاؤں گی اسٹیشن بس۔۔۔"

اور سب کچھ کہہ دیتی پر لہجہ اچھا رکھتی یا پھر یہی کہہ دیتی کہ میں اپنے نانا کی ہتک برداشت نہیں کر سکتی۔ کچھ محبت بھرے لہجے سے۔۔۔ دل گیری سے بجائے کہ اپنی ہتک۔۔۔

تو سبکتگین کا دل بھی ٹوٹ گیا۔

اس نے جھک کر جوتا اتار کر جھاڑا۔۔۔ ہاں ننھا سا کنکر۔۔۔ چنے کی دال برابر۔۔۔ مگر کتنی بری طرح کاٹ رہا تھا اور کاٹ تو یہ بات بھی رہی تھی کہ جب وہ گھر میں قدم رکھے گا تو دادا کا سوالیہ۔۔۔ امید و بیم والا چہرہ۔۔۔ اور حورے کا بھی۔ لاکھ وہ خود کو نارمل ظاہر کرے گی۔

سبکتگین کے قدم من بھر کے ہو گئے اور دل درد سے بھر گیا۔ کتنی تکلیف ہوتی ہے نا جب اپنے ہی گھر جانے کو دل نہ کرے' یہ دل بھی نا۔۔۔

☆ ☆ ☆

ایاز کی نگاہیں ہی نہیں سماعتیں بھی سیڑھیوں کی

نگہبانی کرتی تھیں۔ جالی کے دروازے کے کھلنے اور بہت تیز دھڑ دھڑ قدموں کی آواز پر اس کی گردن تیزی سے گھومی تھی اور اگلے ہی منٹ وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا اور وہی ایک کیوں' جس جس نے دیکھا تھا' سب متوجہ ہو گئے تھے۔ یہ حور عرش تھی ننگے پیر۔۔۔ حواس باختہ' دوپٹا سر پر ٹکا ضرور تھا' مگر وہ حجاب کے تقاضے پورے نہیں کر پا رہا تھا۔

"د۔۔۔ دادا۔۔۔" اس کے منہ سے بمشکل نکلا۔ آگے کچھ بول نہ سکی بس پیچھے دروازے کی سمت اشارہ کیا اور واپس بھاگ گئی۔ دروازے کے بجنے کی آواز بہت زور دار تھی۔ ایاز چونکا۔ اس نے مجمع کے لوگوں کو دیکھا سامنے والے انکل تیزی سے اوپر جا رہے تھے۔ ایاز نے تین جستوں میں سیڑھیاں پار کیں پیچھے اور لوگ بھی تھے۔

دادا چھت پر جاتی سیڑھی کے پاس آڑے ترچھے پڑے تھے' پورا جسم پسینے سے تربتر تھا بلکہ نچڑ رہے تھے چہرہ سفید' ہونٹ سفید اور سینہ پر ہاتھ دھرا تھا کراہنا تک مشکل تھا۔

ایاز نے ان کے دبلے ہلکے وجود کو بازوؤں میں اٹھا لیا اور سیڑھیاں اتر کر بھاگا۔ سب نیچے اتر گئے حورے عرش بمشکل تالا لگانے کا ہوش رکھ سکی۔ پڑوسی کی ہائی روف تیار کھڑی تھی' وہ دادا کا سر گود میں رکھ کر بیٹھ گئی۔ ایاز سامنے والی سیٹ پر بیٹھ کر دادا کے تلوے سہلانے لگا۔

اور پھر وہ تین گھنٹے۔۔۔ دادا مردوں کے وارڈ میں تھے وہ اپنے دوپٹے کا نقاب بنائے ان کے سرہانے کھڑی رہی۔ تاوقتیکہ مانیٹر پر دل کی دھڑکن رواں ہونے لگی۔

"باہر جاؤ۔ اب دادا ٹھیک ہیں۔" ایاز نے آہستگی سے کہا۔

"نہیں' میں یہیں ٹھیک ہوں۔" اس کی نگاہیں دادا کے وجود پر جمی تھیں۔

"یہاں سب مرد ہیں حور عرش۔۔۔ اور پھر ادھر میں ہوں اور ساتھ والے نظامی انکل بھی بیٹھے ہیں۔ تم باہر بنچ پر بیٹھ جاؤ۔ اچھا نہیں لگتا۔"

"ایاز ٹھیک کہہ رہا ہے بیٹی!" انکل بھی ہم خیال تھے۔

"آ جاؤ حور عرش۔۔۔!" ایاز نے دوبارہ پکارا۔ حورے چونکی تو وہ اس کے نام سے بھی واقف ہے۔ اسے عجیب سا لگا۔ سب اسے حورے پکارتے تھے۔ اصل نام سے تو کم ہی لوگ واقف تھے۔ اس نے نظریں اٹھائیں وہ اس کو دیکھ رہا تھا۔ نگاہ ملنے پر باہر نکلنے کا اشارہ دیا۔ حورے آگے بڑھ گئی۔

اور ساری غلطی اسی کی ہے۔ وہ علی سے اتنی بے احتیاطی سے کیوں گفتگو کرنے لگی۔ جبکہ علم تھا' دادا گھر پر ہی ہیں' لیکن بے احتیاطی تو نہیں کی تھی۔ وہ فون لے کر چھت پر چلی آئی تھی۔ آخری سیڑھی پر تسلی سے بیٹھ کر اسے علی کی باتیں سننا تھیں۔ اسے تسلی دینی تھی' ہمت دلانی تھی۔ چودہ برس کا چھوٹا سا لڑکا۔۔۔ جو یتیم تھا اور پڑھائی کے ساتھ ماں کی مدد کے خیال سے محنت کرتا تھا۔ ماں بیٹا نے طے کر رکھا تھا۔ وہ دونوں مل جل کر اس وقت کو گزار لیں گے' مگر۔۔۔ زینی پھپھو کو بریسٹ کینسر تشخیص ہوا تھا' علاج فوری ضرورت تھا۔

دادا تو صرف بخار کو لے کر فکر مند تھے۔ اور نتیجہ کیا سامنے آیا تھا۔

"ابتدائی اسٹیج ہے' مگر قابل علاج' لیکن علاج کے لیے درکار رقم سن کر حورے کے مساموں سے پسینہ پھوٹ نکلا۔۔۔ اتنے سارے پیسے۔۔۔

سبکتگین تک گھبرا کر رہ گیا۔ بہت دیر تک تو وہ کچھ بول ہی نہ سکا۔

"چلو اللہ مالک ہے۔ کرتے ہیں کچھ نہ کچھ۔۔۔" اس نے اسے بھرپور تسلی دی تھی۔ وہ ہے ناں۔۔۔ وہ کچھ بھی کرے گا۔۔۔ مگر دادا کو نہ ہی پتا چلے تو۔۔۔ اور دادا کو پتا چل گیا۔ سن لیں انہوں نے حورے کی ساری باتیں۔۔۔

"ابتدائی اسٹیج ہے علی۔۔۔ اور بریسٹ کینسر قابل علاج مرض ہے زینی پھپھو ٹھیک ہو جائیں گی تم فکر نہ کرو اپنی پڑھائی پر توجہ دو اپنے کام پر۔۔۔ تم بہادر ہو

میرے پیارے بھائی۔۔۔ سب ٹھیک ہوگا ان شاء اللہ۔" ہی حور عرش نے رونا شروع کردیا جبکہ ایاز کو سبکتگین کا

سب کچھ تو واضح ہوگیا تھا۔ دادا کو اور سننے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ تو بس یونہی حورے کو پکارتے سیڑھیوں تک چلے آئے تھے کہ دل گھبرا رہا ہے، نیچے جاکر بیٹھ رہا ہوں، دروازہ بند کرلو۔۔۔ اس کی باتوں نے دل بند کردیا۔ اوہ خدا۔۔۔ اس نے جھرجھری لی۔

"چائے۔۔۔" وہ چونکی۔۔۔ ایاز تھا، ہاتھ میں دو کپ چائے۔۔۔ وہ متامل ہوئی۔

"پی لو۔۔۔ سر کا درد ٹھیک ہوجائے گا۔" اس نے اس کی سوجے پپوٹوں والی، سرخ دھلی آنکھوں میں جھانکا۔ سرخ ناک، کچھ سوجے گیلے ہونٹ۔۔۔ ایاز نے نظر پھیرلی۔

بہت بچپن میں ماں نے سمجھایا تھا۔ "بیٹا ایاز، کبھی کسی دوسرے کی چیز پر نگاہ نہیں جماتے۔"

اور وہ بڑا تابع دار بچہ تھا۔۔۔ مگر اس دل کا کیا کرتا جو۔۔۔

وہ چونکا۔ حور عرش اسی سے مخاطب تھی۔

"میں سبکتگین کے بارے میں پوچھ رہی تھی، آپ نے اسے کال کی۔۔۔"

"جی۔ میں مسلسل اسے ٹرائی کررہا ہوں، مگر وہ فون اٹھا نہیں رہا، میں نے میسج بھی کیے ہیں۔"

"ہاں۔۔۔! ڈپارٹمنٹ کے اندر فون الاؤ نہیں ہے تو اس لیے۔۔۔"

"مجھے بھی یہی لگ رہا تھا۔" ایاز نے سرہلایا، جس بنچ پر حور عرش بیٹھی تھی۔ وہاں جگہ تھی ایاز کے بیٹھنے کے لیے، مگر وہ قصداً" دوسری پر بیٹھا۔

سبکتگین کو شام پانچ بجے ہارٹ اٹیک کا پتا چلا، وہ کسی سے بائیک مانگ کر اندھا دھند کارڈیو پہنچا، کچھ سجھائی نہ دیا کہ کدھر جائے پھر تب ہی حورے اور ایاز کو دیکھ لیا۔ دونوں آمنے سامنے کھڑے تھے۔ ایاز دواؤں کی تھیلی دیتے ہوئے کچھ کہہ رہا تھا۔ سبکتگین بھاگا آیا۔ اس نے تھیلی جھپٹ لی۔

"کیا ہوا، دادا کو کیا ہوا۔۔۔؟" وہ بے قراری کی انتہا پر تھا۔ دونوں کے بیچ میں حائل ہوگیا۔ اس کی آواز سنتے

بیچ میں آجانا بری طرح محسوس ہوا تھا۔

"اب وہ ٹھیک ہیں یار۔۔۔!" ایاز نے بتایا۔

"ہاں۔۔۔ مجھے انہیں دیکھنا ہے۔" وہ ایاز کی ہمراہی میں اندر چلا۔

"میں بھی آتی ہوں۔" حورے نے تیزی سے کہا۔ دونوں نے سرہلایا۔

دادا آنکھیں موندے پڑے تھے۔ سبکتگین نے ان کے دونوں پیر پکڑلیے۔ دادا چونکے۔

"اب کیسی طبیعت ہے دادا۔۔۔؟" وہ ان کے سرہانے چلا آیا۔

"زیبی کیسی ہے؟" دادا نے ان سنی کرکے پوچھا۔ سبکتگین نے بری طرح چونک کر حورے کو دیکھا۔ حورے نے نظریں چرائیں۔ اوہ۔۔۔ یعنی۔۔۔

"وہ ٹھیک ہیں دادا۔۔۔ وہ ٹھیک ہوجائیں گی۔ بس آپ جلدی سے اچھے ہوجائیں۔"

"میں بھی تب اچھا ہوں گا جب زیبی۔۔۔" دادا کی آواز گھٹ گئی۔

"باتیں نہیں کریں ادھر۔" میل نرس کی آواز گونجی۔ "اور باہر جائیں مریض کو آرام کرنے دیں۔۔۔ ابھی اوپر شفٹ کریں گے۔"

"اوہ۔۔۔!" تینوں نے شکر ادا کیا اور باہر نکلے۔

"میں تمہارے لیے چائے لاتا ہوں۔ ساتھ میں کچھ لوگے پیٹیز وغیرہ۔" ایاز نے پوچھا۔ سبکتگین چونکا تو ایاز لایا دادا کو اسپتال۔۔۔؟

"یا پھر کینٹین چلتے ہیں۔ نظامی انکل اور جوجی ادھر ہی ہیں، دوپہر سے کھانا نہیں کھایا تھا۔" ایاز بتا رہا تھا۔ سبکتگین پرسکون ہوا تو حورے اکیلی نہیں تھی۔

"کینٹین ہی چلتے ہیں۔" ایاز نے دانستہ نگاہیں تیزی سے آتی ایمبولینس پر جمائیں۔ سبکتگین چونکا پھر سرہلادیا۔

ایاز آگے تھا، یہ دونوں ہم قدم۔ "دوپٹا اچھے سے اوڑھو حور۔۔۔! اور یہ آستین بھی نیچے کرو۔"

بہت نرم دھیما لہجہ۔۔۔ مگر کچھ تھا، وہ چونکی۔ ہوش

ہی کب تھا۔ وضو کرنے میں آستینیں چڑھائی تھیں۔ اس نے دوپٹا اچھی طرح لپیٹ لیا۔

☆ ☆ ☆

چڑچڑے، چپچپے، خارش زدہ مئی کے گرم دن.... شہر زہر بن چکا تھا۔ آلودگی.... ہوائیں چلتیں تو اور مصیبت ساتھ لاتیں۔ گرم ہوا میں کچرے کی بساند گلتا سڑتا ڈھیروں ڈھیر کچرا.... سارا شہر مچھر کالونی بن چکا تھا۔

چاند سے دیوار چین کے ساتھ اگر اب کچھ نظر آتا.... تو پھر یہی نظر آتا کچرا۔ بجلی کے کھمبے اور ان پر ڈلے کنڈے.... رسیاں، تاریں اور کئی پتنگیں.... جھولتی پھڑپھڑاتی تھیلیاں.... ثمر کے جنگلات ختم ہوگئے تھے اور اب ان پر مہمان پرندے نہیں آتے تھے۔ اسے تو آسمان پر چیلیں اور کوے بھی کم لگتے۔

کتنے دن ہوگئے اس نے بالکنی میں لٹکتے آب خوروں میں پانی نہیں ڈالا تھا۔ چڑیاں باجرے کی آس میں خالی برتن میں چونچیں مارتیں پھر چلاتیں، شاید اسے پکارتی تھیں۔ "کہاں ہو حورعرش.... حورے....؟"

اور حورے کہیں نہیں تھی۔ ہوتا ہے ایسے بھی کبھی کبھی، ہم ہوتے ہوئے بھی نہیں ہوتے۔ اپنے آپ میں گم ہوجاتے ہیں۔

حقیقت ہوتے ہیں، مگر گمان لگتے ہیں۔

وجود رکھتے ہیں، مگر بلبلے سا....

آواز ہوتی ہے، مگر آہ جیسی.... تو ایسے ہونے کو پھر کیا کہتے ہیں۔

زندگی کا اور کوئی نام ہوتا تو.... حیرت ہوتا اور اس میں ایسی حیرت کیا؟ دکھ، صدمہ جیسی مثالیں پرانی ہوگئیں۔

زندگی کے اسکول کا آخری دن موت تک ہوتا ہے۔ انسان گود سے گور تک سیکھتا ہے اور اس نے اب تک کچھ نہ سیکھا۔ اسے پرکھ ہی نہیں تھی، اسے چہرے پڑھنے ہی نہیں آتے تھے نہ وہ دل کا حال معلوم کرسکتی تھی یا پھر لوگ اتنے چالاک ہیں کہ اپنا اندر

کبھی ظاہر نہیں کرتے۔

"زیبی کی زندگی کا سوال ہے مہرالنسا! وہ مرجائے گی۔" دادا کی آواز میں منت تھی۔

"اور زینیا نے سبکتگین کو زندگی، موت کا مسئلہ بنالیا ہے ابا...." پھپھو کتنی برجستہ تھیں۔

اس کا دل رویا۔ دادا کی سماعت کمزور تھی۔ انہیں فون لاؤڈ اسپیکر آن کرکے دیا جاتا تھا۔ عام گفتگو میں یہ کمزوری اتنی پتا نہیں چلتی تھی، مگر فون پر بات کرتے ہوئے وہ بہت اونچا بولتے تھے اور اس وقت تو بات زیبی پھپھو کی ہو رہی تھی ان کی آواز رندھی ہوئی اور پھٹی ہوئی تھی۔

"تم زیبی کی بات کو اس بات سے کیوں جوڑتی ہو مہو۔"

"جوڑ نہیں رہی ابا.... مگر آپ بھی بیٹی کو رو رہے ہیں اور میں بھی...."

"اللہ نہ کرے جو ہم دونوں کو اپنی بیٹیوں کو رونا پڑے۔" دادا ابل اٹھے۔

"تو پھر آپ مان کیوں نہیں جاتے؟"

"کیسے مان لوں.... دوسری طرف بھی تو میری بیٹی ہی ہے۔" دادا کی نگاہیں بالکنی تک گئیں۔ انہیں حورے نظر نہیں آئی، مگر وہ وہیں تھی۔

"آپ سبکتگین سے بات تو کریں۔"

"وہ کبھی نہیں مانے گا۔" دادا پوتے سے خوب واقف تھے۔

"آپ منائیں گے تو مان جائے گا ابا۔" پھپھو کا لہجہ اکساتا ہوا تھا۔

"نہیں...." دادا کا سر نفی میں ہلا۔

"اچھا آپ اسے کم از کم بتا ہی دیں.... یا پھر میں فون کروں؟"

کیا مہرالنساء دھمکا رہی تھیں، لیکن سبکتگین ایسا نہیں ہے۔ وہ پوری بات بھی نہیں سنے گا۔" اس کا دل سکڑا سمٹا، مگر پھر ایک یقین کے سہارے اچھل کر روانی سے دھڑکنے لگا۔

"تم ایسا کچھ نہیں کروگی۔" دادا کا لہجہ مضبوط تھا۔

"نہیں نہیں کروں گی۔ آپ کی بات مان لیتی ہوں ابا۔۔۔ لیکن مختار۔۔۔"

"کیا مختار۔۔۔؟" دادا نے اکڑ کر پوچھا۔

"اکلوتی بیٹی ہے زینیا۔۔۔ مختار کی جان بند ہے اس میں' باپ نے اس کے لیے یونہی کسی رشتے کا بتایا تھا اور اس نے بغیر کسی جھجک کے باپ کے سامنے سبکتگین کا نام لے دیا۔ اور زینیا کو مختار کے آگے بس نام ہی لینا ہوتا ہے' چیز حاضر۔۔۔"

"تمہاری بھتیجی ہے حورے۔۔۔ تمہیں اس پر رحم نہیں آئے گا۔ بچپن سے دونوں اس رشتے میں بندھے ہیں' میں تو یہ سوچ بیٹھا تھا کہ سبکتگین کی کہیں نوکری لگے تو نکاح کردوں اور تم۔۔۔"

"زینیا سے شادی کی صورت میں اس کے سارے دلدر دور ہوجائیں گے ابا۔ بھاڑ میں گئی نوکری۔۔۔"

"وہ بھی حورے کو پسند کرتا ہے۔ جانتیں نہیں زینی کے سسرال والے رشتے پر اس کا اٹھایا گیا طوفان۔۔۔" دادا کو بروقت یاد آیا۔

"پانچ چھ برس پرانی بات ہے ابا۔۔۔ کم عمر تھا سبکتگین۔۔۔ اور لڑکے اس عمر میں جذباتی ہوتے ہی ہیں۔ آپ اب بات کریں تو۔۔۔ اب اور تب کی صورت حال میں فرق ہے۔"

"لوگ تو کہتے ہیں' پھپھی بھتیجی ایک ذات۔۔۔" دادا کی بے یقینی جاتی ہی نہ تھی' مہرالنسا کو بس بیٹی کی پڑی تھی۔

"لوگ غلط نہیں کہتے ابا۔۔۔ واقعی پھپھی بھتیجی ایک ذات ہوتی ہیں' مگر ماں بیٹی تو ایک عضو کی طرح ہوتی ہیں۔ آنکھ' ہاتھ' دل' دماغ کی طرح۔۔۔ مجھ سے اس کے آنسو دیکھے نہیں جاتے۔" پھپھو آبدیدہ ہوگئیں۔

"اور زینی۔۔۔!" دادا چونکے تھے۔ "وہ تو روتی نہیں۔۔۔ پھر بھی دیکھی نہیں جاتی۔"

دادا نے فون کاٹے بغیر تخت پر یونہی اچھال دیا۔ پھپھو کی اچنبھا بھری آواز سارے میں کچھ دیر گونجتی رہی۔

"ہیلو ابا۔۔۔ ابا سن رہے ہیں مجھے۔۔۔ فون کان سے نیچے طرح لگائیں۔ وہ ابا۔۔۔ ہیلو ہیلو۔۔۔ یہ ابا بھی نا۔۔۔ اف۔۔۔"

"مجھے پانی پلا دو حورے!" دادا کی زبان سوکھ کر لکڑی ہوگئی۔ ٹینشن' شوگر' بلڈ پریشر اور وہ موا دل بھی۔۔۔ جو دھڑکنے کو بہانے مانگے اور بند ہونے کے بھی' حق ہا۔

حورے اسٹیل کے نقشین پیالے میں پانی بھر لائی۔ دادا نے پیالہ خالی کرکے مزید کی طلب میں ہاتھ بڑھایا۔ حورے دوبارہ بھر لائی اور پھر ایک بار اور۔۔۔ دادا کی شوگر ہائی ہوگئی تھی۔

"سب ٹھیک ہوجائے گا دادا!" وہ ان کے سر کے نیچے تکیہ درست کرنے لگی۔

پھر انہیں لٹا دیا۔ وہ کچھ دیر سو جاتے تو اچھا رہتا مگر۔۔۔ یااللہ اس نے تڑپ کر اوپر دیکھا۔ پنکھا بند ہوگیا تھا۔ لائٹ چلی گئی تھی۔ یارب۔۔۔ اس نے سر ہاتھ پر گرالیا۔ دادا کی کھلی آنکھیں بھی چھت پر تھیں۔

"کچھ ٹھیک نہیں ہوگا۔" وہ کہنی کے بل اونچے ہوئے۔۔۔ "کے بچے۔۔۔ الو کے۔۔۔ نمک حرام۔ کیا کریں گے اتنی بجلی بچا کر' اپنی قبروں میں لگائیں گے۔ پنکھے' بلب۔۔۔ جینا حرام کردیا' نہ دن کو چین نہ رات کو آرام۔"

وہ سر جھکائے ہونٹ بھینچے سنتی رہی۔ دادا نے پیر تخت سے اتارے۔ جوتا ڈھونڈ رہے تھے۔ پھر آدھا پہنا جوتا بھی ہوا میں اچھال دیا۔

"باہر کہاں جاؤں' کچرا کنڈی پر جا کر بیٹھوں یہ شہر رہنے کے قابل نہیں رہا اوپر سے دھوپ۔۔۔ اعمال کا نتیجہ ہے سارا۔۔۔ گناہوں نے گرمی بڑھادی۔ اور گناہ بھی کس کے' میرے ہی ہوں گے' میں کون سا نیک۔۔۔ اب تو نماز کے لیے بھی نہیں جایا جاتا اسی لیے مجھ پر مصیبتیں ٹوٹتی ہیں۔ ہوں ہوں ہاہ۔"

"ہائے اللہ۔۔۔" حورے کا جھکا سر کرنٹ کھائے انداز سے اٹھا۔ دادا رو رہے تھے۔

وہ دونوں ہاتھوں کی پشت سے کسی ننھے بچے کی طرح آنسو صاف کرتے تھے پر رونا آتا ہی جاتا تھا۔

"دادا۔۔۔" وہ بے قراری سے پکارتی ان سے لپٹ

گئی۔ ''مت روئیں اللہ کا واسطہ۔''
''نہیں میں روؤں گا سالے۔ سونے بھی نہیں دیتے۔ جینے بھی نہیں دیتے۔ مار دو مجھے مار ہی دو....'' وہ پنکھے سے مخاطب تھے۔ ''نہ میں ہوں گا نہ یہ سب ہوگا۔'' ''دادا....'' اس نے خود بھی رونا شروع کر دیا۔

☆ ☆ ☆

''میں نے فیصلہ کر لیا ہے' میں یہ گھر بیچ دوں گا۔''
حورے نے چونک کر سر اٹھایا۔ دادا کا انداز فیصلہ کن تھا۔ اس نے سبکتگین کو دیکھا۔ دونوں کی نگاہیں ملیں اور سر اثبات میں ہل گئے۔
''ڈاکٹر نے کہا ہے ابھی کینسر ابتدائی مرحلے پر ہے۔ بارہ پندرہ لاکھ میں علاج ہو جائے گا۔''
''جی دادا....!'' دونوں نے یک زبان ہو کر کہا۔ انہوں نے ہی تو یہ بات بتائی تھی۔
''گھر میری بیٹی کی جان سے زیادہ قیمتی تو نہیں....'' یہ انہوں نے خود کو باور کرایا۔
''جی دادا!'' حورے نے ان کا جھرّیوں بھرا اکڑا بوڑھا ہاتھ تھام دیا۔
دادا نے اس کا چہرہ دیکھا۔ اس کا چہرہ بھی الفاظ کی تائید کرتا تھا جبکہ سبکتگین کچھ سوچ رہا تھا۔
''میں یہ سوچ رہا ہوں کہ ہم اس گھر کو بیچنے کے بجائے زیبی پھپھو کا گھر بیچ دیتے ہیں۔'' حورے تو فقط چونکی تھی۔ دادا تو چھت تک اچھل گئے۔ آنکھوں میں حیرت ابھری پھر غصہ' پارہ چڑھ گیا۔
''تاکہ یتیم بچوں سے چھت کا آسرا بھی چھن جائے۔ ابھی تو میں زندہ ہوں تو کیسے اس گھر.... اور اس گھر میں فرق کر دیا' میں مر گیا تو میری زیبی تو لاوارث ہو جائے گی.... تجھ سے یہ امید نہیں تھی' سبکتگین....''
''میرا وہ مطلب نہیں تھا دادا!'' سبکتگین اپنی کرسی چھوڑ کر ان کے تخت پہ بیٹھتے ہوئے بولا۔
''میں تو صرف یہ کہہ رہا تھا۔ اس گھر کی مالیت زیادہ ہے۔ بزنس پوائنٹ آف ویو سے لوکیشن زبردست ہے' پھپھو کا گھر بیچ کر آدھے پیسوں سے علاج کرواتے ہیں اور باقی آدھے سے اوپر چھت پر ان کے لیے پورشن بنوا دیں گے۔'' اس نے بہت اچھا حل پیش کیا۔
''او.... ہو....!'' دادا چونکنے ہو گئے۔ ''بہت خوب شہزادے! اس کا گھر بھی بک جائے اور تمہارے لیے بلڈنگ تیار ہو جائے جہاں سے تم اسے کل کو نکال باہر کرو۔ بہت اچھے میاں کیا منصوبہ بندی کی ہے۔''
''ایسا نہیں ہے دادا! آپ ایک بار سوچیے تو.... ہم سب کا کھانا پینا ایک ہو جائے گا' کم خرچا ہو گا۔ یہاں آ کر رہنے سے پھپھو کو سہولت ہو گی۔ کوئی میلی آنکھ سے نہیں دیکھے گا۔ آپ جو ہوں گے یہاں.... بچوں کے نانا.... نواسیوں کو اسکول چھوڑنے لینے جایئے گا۔ ابھی پھپھو کو یہ کام کرنا پڑتا ہے۔ سب مل جل کر رہیں گے۔ پھپھو اور ان کے بچے اوپر.... اور یہاں آپ.... میں اور حور سب۔ پھر مجھے ملازمت مل جائے گی۔ ہم اپنا خرچ اٹھا لیں گے اور کارخانے کے پیسے پھپھو کو دیں گے۔''
وہ حقیقت سے بہت قریب کی باتیں کر رہا تھا۔ بھلے وہ خواب جیسی حسین لگ رہی تھیں' مگر خواب ہی تو حقیقت بنتے ہیں۔
اور اس نے کہا میں اور حور.... کتنا خوب صورت لگا تھا' میں اور تم' تم اور میں.... یہی مطلب نکلتا تھا نا اس جملے کا.... اس کے اندر تک سکون اترنے لگا۔ خدشات دم توڑ گئے۔
ہاں سب ٹھیک ہو جائے گا۔
اس کی نگاہیں دادا پر اٹھیں' وہ کچھ سوچ رہے تھے۔ پھر نظریں سبکتگین کے چہرے پر گاڑ دیں وہ اسے جانچ رہے تھے۔ کتنا سچ' کتنا جھوٹ.... کتنا کھوٹ اور کھوٹ کتنا بھی ملا دو سونا.... سونا ہی رہتا ہے۔ پوتا تو وہ ان ہی کا تھا نا۔ ان کا خون۔ ان کے ہاتھوں کا پالا.... یقین آ گیا تھا۔ مگر.... یونہی....
''ٹھیک ہے' مگر میری ایک شرط ہے۔ پھر میں یہ گھر زیبی کے نام کر دوں گا۔'' اپنے تئیں انہوں نے دھماکہ

گیا۔

"آپ ابھی کردیں دادا۔۔۔!" سبکتگین کرسی پر ڈھیلا ہو کر بیٹھ گیا۔ "آپ کی چیز ہے جسے جی چاہے دے دیں۔"

"حورے کو بھی نہیں دوں گا۔ سارا زیبی کو دوں گا۔ قمر کو بھی نہیں' اس کا اپنی گھر نہیں ہے ادھر رہا ہے۔۔۔"

"حورے کو چاہیے بھی نہیں۔۔۔ کیوں حورے۔۔۔؟"

"ہاں دادا! ہمیں نہیں چاہیے۔۔۔ میرا مطلب ہے مجھے۔۔۔ مجھے بھی نہیں چاہیے۔" روانی کا "ہم" حیا سے ٹکرایا تو "میں" میں بدل گیا۔ سبکتگین کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

سچ پر اتنی بے ساختگی تو بجتی ہے۔ سچ اتنا ہی خوب صورت ہوتا ہے تھوڑا مشکل تو ہوتا ہے' مگر۔۔۔ اور حیا سے بڑا زیور اور کوئی نہیں۔۔۔ عورت' عورت لگتی ہی تب ہے جب حیا دار ہو' تمیز دار ہو اور سونے پر سہاگا دل دار ہو۔ واللہ۔۔۔ اللہ اللہ۔

دادا کا چہرہ ہشاش بشاش ہو گیا۔ ہاں سبکتگین کا بتایا حل بہت قابل قبول تھا۔ شام تک دادا سرشار رہے۔

منا ڈے کے گانے بھی سن لیے۔ سر بھی دُھنا۔ بوڑھی آواز میں تان بھی لگائی' مگر پھر کھانسی کا دورہ پڑ گیا۔

"اے میری زہرہ جبین تجھے معلوم نہیں۔۔۔"

حورے کمر سہلانے پیچھے آ کر بیٹھ گئی۔ "حورے!"

"جی دادا۔۔۔" اس کی نرم ہتھیلیاں دادا کی جھریوں بھری پیٹھ پر سرکنے لگیں۔

"چیک کر رہا تھا اس کو۔۔۔ میں نا انصاف نہیں ہوں۔ تم تینوں کے نام لگاؤں گا۔ کارخانے کا کرایہ جب تک علی پیروں پر کھڑا نہیں ہوتا زیبی لے گی۔ پھر بعد میں تین حصے کر لینا۔ ٹھیک ہے نا۔"

"جی دادا۔۔۔!" وہ کیا کہتی۔ سبکتگین تو لاٹھی سے بچ گیا تھا۔ وہ تو ساتھ جڑ کر بیٹھی تھی' مگر یک دم کچھ دھیان آیا تو منہ نکل گیا۔

"اور مہرو پھپھو۔۔۔ ان کا حصہ۔۔۔ ان کو بھی تو دینا

ہوگا نا۔"

"کیا۔۔۔؟" وہی ہوا' دادا بھڑک کر سیدھے ہوئے وہ پیچھے کو کھسکی۔

"کچھ نہیں دوں گا اسے۔۔۔ باپ سے سودے بازی کرتی ہے نا ہنجار۔ میرا گھر ہے' میری جائیداد۔۔۔ میں اسے گھر میں گھسنے نہیں دوں گا۔ سارے لاکو کھیت والوں کو اس کے پیچھے لگوا دوں گا۔ کنوؤں کے باغ تک چھوڑ کر آئیں گے سب اس کو۔۔۔"

"وراثت سے محروم کرنے سے گناہ ہوتا ہے دادا۔۔۔" اس نے ڈرتے ڈرتے بتایا۔

"اور سودے بازی کرنے سے اور کسی کو مرتا دیکھتے رہنے سے گناہ نہیں ہوتا۔ ابھی میں زندہ ہوں' یہ میری جائیداد ہے۔ میں اسے اپنی بیٹی کے علاج پر لگانا چاہتا ہوں۔ کسی کو کیا اعتراض ہے۔

ہے تو میری بیٹی۔۔۔ مگر مجھ پر پڑنے کے بجائے اپنے شوہر پر پڑ گئی ہے۔ اس کا فون آئے تو کہنا شناختی کارڈ اور پاسپورٹ سے میرا نام کٹوا دے اسی مالک و مختار کا نام لکھوائے نہیں ہے وہ میری بیٹی۔۔۔ اخبار میں لکھواؤں گا' پتا کرو' ایک سطر کتنے کی ہے۔۔۔

اور وہ اس کی بیٹی زینیا۔۔۔ مجھے وہ بھی اچھی نہیں لگی۔ میں نانا تھا اور مجھے ماموں بنا گئی۔ سبکتگین اچھا لگا ہے۔ اسی سے شادی کرے گی۔ کرواتا ہوں میں شادی۔۔۔"

دادا دانت پیس پیس کر یاد کر رہے تھے۔ ارادے باندھ رہے تھے۔ حورے سر جھکائے سنتی رہی۔ اچھا تھا بولتے بولتے بھڑاس نکلتی یا پھر یہ تھا کہ مسئلے کا حل نظر آیا تو خوشی کا ایک انداز یہ بھی۔۔۔

☼ ☼ ☼

مسئلے کا حل ڈھونڈ لینے سے دادا اتنے خوش اور مطمئن ہوئے کہ اگلی صبح ہی رکشہ منگوایا اور حورے کے ساتھ زیبی پھپھو کے گھر پہنچ گئے۔

پھپھو اپنے سلائی والے تخت پر پاؤں لٹکائے خاموش بیٹھی تھیں' نگاہیں کسی غیر مرئی نقطے پر جمی

تھیں۔ دادا اور حورے سر پر پہنچ گئے تب پکارنے پر بری طرح چونکیں۔

"دروازہ کیوں کھلا چھوڑا ہوا تھا' حالات دیکھے ہیں آج کل کے..." دادا نے سرزنش کی۔

"نہیں تو... وہ بس بچیاں مدرسے گئی تھیں تو... دھیان نہیں رہا ابا۔"

"دھیان رکھنا چاہیے۔" دادا بیٹھ گئے۔ حورے خود ہی فریج سے پانی کی بوتل نکال لائی۔ پھپھو کی غائب دماغی اور بے دلی اسے بری طرح محسوس ہو رہی تھی۔ ان کے ابا جو بیٹی کے گھر خوشی' غمی پر ہی جانے کے قائل ہوں یوں اچانک تشریف لے آئیں اور وہ چونکیں نہیں... خوشی کا اظہار بھی نہیں کیا۔

دادا کی نگاہیں بیٹی کے گھر کا طائرانہ جائزہ لے رہی تھیں۔ کتنے پیسے مل سکتے تھے۔ کیا اتنے کہ علاج بھی ہو جاتا اور کچھ رقم بچا کر بچوں کے لیے محفوظ کر لی جاتی۔ رات بنائے گئے منصوبے نے انہیں پرسکون کر دیا تھا۔

مگر جب پھپھو نے سنا... تب وہ مسکرا دیں۔ پھر سر نفی میں ہلا۔

"سوچا تو آپ نے کمال تھا ابا! مگر یہ ہو نہیں سکتا۔"

"کیوں... کیوں نہیں ہو سکتا؟" دادا نے تیزی سے پوچھا۔

"یہ گھر کوئی سارا کا سارا علی کے ابو کی ملکیت تو نہیں تھا نا۔"

"تو پھر اور کون مالک پیدا ہو گیا؟" دادا کا انداز جارحانہ تھا۔

"علی کے تایا اور چاچا بھی اس کے مالک ہیں اور شریعت پر چلیں گے تو پھپھو وغیرہ بھی..."

"ہائیں...!" دادا بھونچکے رہ گئے۔ حورے کی بھی سمجھ میں نہیں آیا۔

زیبی پھپھو مسکرا دیں۔ زخمی' بے بس مسکراہٹ...

علی کے دادا کے دو گھر تھے۔ ایک جس میں وہ رہتے تھے۔ دوسرا یہ جس میں اب زیبی پھپھو رہتی تھیں۔ زیبی بیاہ کر گئیں تو سسر کے گھر... وہاں ایک جٹھانی ہی تھیں۔ پھر دیور کی شادی ہوئی تو گھر چھوٹا پڑ گیا۔ یہ گھر کرائے پر چڑھا ہوا تھا۔ علی کے دادا نے گھر خالی کروایا اور زیبی پھپھو کو ادھر منتقل ہو جانے کا کہہ دیا۔ جٹھانی بہن کو دیورانی بنا کر لائی تھیں۔

دونوں بہنیں ساس سسر کے ساتھ اکٹھی ہو گئیں۔ نندیں بیاہی ہوئی تھیں' مگر سسر صاحب نے بیانگ دہل کہہ رکھا تھا۔ ان کے مرنے کے بعد دونوں گھر اولادوں کی ملکیت ہوں گے۔ شرعی تقسیم کر دی جائے گی۔ (دونوں گھروں کو بیچ کر رقم کی منصفانہ تقسیم) اور اگر کوئی گھر بیچنا نہیں چاہتا تو پھر اپنے حصے سے رقم ادا کرے اور رہے۔

گھر بیچ کر زیبی پھپھو کو حصہ دیا جاتا تو وہ رقم تو اونٹ کے منہ میں زیرہ ہوتی۔ علاج کی رقم بھی نہ نکلتی۔ پس انداز کرنے کا تو خیال ہی کیا؟

واپسی کے سفر میں... حورے رکشے کے کونے میں دبکی ہوئی تھی۔ دادا بیچ میں بیٹھے تھے ذرا سا آگے ہو کر رکشے کے ڈنڈے پکڑ رکھے تھے اور گرفت کی سختی ہاتھوں کی ابھری رگوں سے ظاہر ہوتی۔ ان کے جبڑے بھی بھنچے ہوئے تھے اور صاف نظر آتا تھا آنسو روکے ہوئے تھے۔ وہی گیلی' بے رنگ آنکھیں... ہونٹ نیم وا اور خشک تھے۔ شوگر ہائی ہو گئی تھی۔ حورے ان کے لیے پانی کی بوتل ساتھ رکھتی تھی۔

"دادا پانی...!" دادا ناک کی سیدھ میں دیکھ رہے تھے۔ نفی میں سر ہلایا حورے نے نگاہیں چرالیں اگر وہ دوبارہ پکارتی تو دادا کے آنسو بہہ جاتے۔

گھر پہنچ کر بھی وہ اسی طرح گم صم رہے تھے۔ وہ بھی خاموش تھی۔

"حورے!" دادا نے پکارا۔

"جی دادا!"

"ایک بات بتاؤ۔"

"پوچھیں دادا...!"

"تمہیں اندازہ ہوا ایک بار بھی کہ وہ سبکتگین کے

بارے میں کچھ اور طرح سے سوچنے لگی ہے۔“ حورے ٹھٹکی۔

”نہیں دادا۔۔۔“

”پھر اس نے اتنی بڑی بات کیسے کہہ دی؟“

”پتا نہیں۔۔۔۔۔۔“ وہ سر جھکائے فرش کو تکتی رہی۔

پتا نہیں زینیا کی فرمائش سے حیرت زیادہ ہوئی تھی کہ صدمہ۔۔۔ اس نے نجانے کتنی بار اس بات کو سوچا۔ ہاں اسے حیرت زیادہ ہوئی تھی۔ زینیا نے سبکتگین کی پرسنالٹی کو بے باکی سے سراہا تھا' مگر اس نے ایسی ہی تعریف حورے کی بھی کی تھی۔ سبکتگین کو سبک پکارنے پر وہ بری طرح چونکی تھی اور اسے برا بھی لگا تھا' مگر زینیا کے بے ساختہ انداز و روانی۔۔۔ دل کے حال پر پردہ ڈال گئی یا پھر اسے لوگوں کے چہرے پڑھنے نہیں آتے تھے۔ جب ہی تو۔۔۔

وقت رخصت وہ حورے سے بہت گرم جوشی سے گلے ملی تھی۔ بہت دیر تک حورے کے دونوں ہاتھ اس کے ہاتھوں کی گرفت میں رہے۔ اس نے مہمان داری پر دل کی گہرائی سے شکریہ ادا کیا اور شاپنگ کروانے پر شہر گھمانے پر گول گپے اور چاٹ کا شکریہ اور یہ بھی کہ حورے کھانا بہت اچھا بناتی ہے اور وہ ہے بھی بہت اچھی۔

”نانا کے نمبر پر فون کیا کروں گی۔ تمہارے پاس تو اپنا سیل ہے ہی نہیں۔۔۔ یا پھر سبک کے نمبر پر۔۔۔“

لیکن اس نے ایک بار بھی فون نہیں کیا۔۔۔ ہاں سبکتگین نے دو چار بار بتایا کہ آج زینیا کی کال آئی تھی' مگر وہ اٹینڈ نہیں کرپایا کہ کام پر تھا۔

دادا کے نمبر پر چند ایک لطائف آئے تھے۔ جنہیں اس نے شوق سے دادا کو سنایا اور دادا بہت خوش ہوئے۔ انہیں پہلی بار زندگی میں میسیجز آئے تھے۔

”مجھے فون میں سے میسیج نکال کر پڑھنا سکھا دو حورے۔۔۔ آخر کو میری نواسی کرتی ہے۔“

”جی دادا! سکھا دوں گی۔“ وہ بھی خوشی سے بولی تھی۔

”تم نے مجھے کبھی لطیفہ نہیں سنایا۔“ دادا نے اسے گھورا۔

”مجھے لطیفے آتے ہی نہیں دادا۔۔۔“ وہ سادگی سے بولی۔

”ٹھیک ہے۔۔۔ ٹھیک ہے۔“ دادا نے معاف کردیا۔

پھر ایسے ہی ایک دن زینیا کے نمبر سے کال آگئی' دوسری طرف مہرالنسا پھوپھو تھیں۔ دادا نے بیٹی کے آگے نواسی کی تعریف کی۔ وہ ہنس رہے تھے' خوش تھے۔ حورے ہتھیلی پر ٹھوڑی جما کر پیار سے انہیں دیکھنے لگی۔۔۔ یک دم اس نے دادا کے چہرے پر حیرت نمودار ہوتے دیکھی اور رنگت بدل گئی۔۔۔ حیرت۔۔۔ اور غصہ۔۔۔

مہرو پھوپھو نے اپنی بیٹی کی فرمائش بیان کردی تھی۔ وہ سبکتگین کے لیے زینیا کا رشتہ دے رہی تھیں۔۔۔ حورے کے سر پر دھماکا ہوا۔

”تم ہوش میں ہو۔۔۔“ دادا دھاڑے تھے اور پھوپھو ہوش ہی میں تھیں' وہی والا ہوش۔۔۔ جیسے بقائمی ہوش و حواس کہا جاتا ہے۔

”وہ آپ کی نواسی ہے ابا۔۔۔“

”نواسی کو تو بعد میں پوچھوں گا' پہلے بیٹی کی تو سن

لوں۔ تمہیں کیا خبر نہیں ہے کہ سبکتگین اور حور عرش....."

"وہ پوتی یہ نواسی..... آپ فرق کریں گے ابا؟" پھوپھو نے بات کاٹ کر اپنی کہی۔

"فالتو بکواس مت کرو..... حورے کی جگہ کوئی باہر کی لڑکی بھی ہوتی تو میرا جواب انکار ہوتا۔"

"آپ ٹھنڈے دل سے سوچیے تو..... مختار تو خود بہت خوش ہوئے' یہاں میرے سسرال میں زینیا کے جوڑ کے لڑکے ہیں ہی نہیں' جو ہیں' وہ اسے پسند نہیں۔ باپ کی لاڈلی ہے وہ..... میں تو ڈر رہی تھی' مگر مختار نے کہا۔ ان کے لیے بیٹی کی خوشی سے بڑھ کر کچھ نہیں....."

"مہرالنسا.....!" دادا نے دھاڑنے کی کوشش کی تھی۔

"اتنا زور مت لگائیں ابا..... پھر آپ کو کھانسی آ جائے گی۔ میری بات تحمل سے سنیں' مختار صرف بیٹی کا رشتہ تھوڑی دے رہے ہیں۔ ہر چیز کا مختار بھی بنائیں گے۔ ہمارے بیٹے تو ابھی بہت چھوٹے ہیں۔ سبکتگین سگا بھتیجا ہے میرا..... میرا داماد بن کر تو ہمارا سہارا بن جائے گا۔ شادی کے کتنے سال بعد زینیا کی شکل میں اولاد دیکھی..... پھر مزید طویل انتظار سے بیٹے ہوئے۔ مختار اب خود کو بوڑھا اور کمزور محسوس کرتے ہیں۔ زندگی سنور جائے گی سبکتگین کی..... سارے شہر کی مٹی اڑا دی نوکری کے لیے جوتیاں گھسیٹ کر..... اور نتیجہ زیرو بٹا سناٹا ہو نہہ..... آپ بھی ہمارے پاس آجائیے گا..... بس مختار کی ایک شرط ہے کہ سبکتگین کو یہاں ہمارے ساتھ آکر رہنا پڑے گا۔"

"شرط کی بچی....." طیش کی شدید لہر نے دادا کے پورے وجود کو لرزہ براندام کر دیا۔ آواز کپکپائی۔

"مجھے ایسی کوئی موت نہیں آرہی کہ اپنا گھربار چھوڑ کر بیٹی کے دروازے پر بیٹھ جاؤں۔ تم نے....."

"یہ پرانی باتیں ہیں ابا..... بیٹی کے گھر کا پانی نہیں پینا بیٹی کے گھر....."

"چپ....." مہرو نے بات کاٹی تھی۔ دادا نے بھی بولتی بند کروا دی۔

"ہم سبکتگین کے سنہرے مستقبل کی بات کر رہے ہیں ابا۔"

"نہیں شکریہ..... ہمیں سبکتگین کا سیاہ مستقبل ہی مبارک ہے۔ بڑی آئی سنیارن..... بند کر فون....." دادا نے فون اچھال دیا۔

اور پھر ایک بار تو نہیں بار بار..... پھوپھو کی آفر پرکشش ہوئی جاتی تھی

"اپنی بیٹی کی بات آئی تو سب کرنے کو تیار ہے' بھول گیا جب میں نے کچھ رقم قرض حسنہ کے طور پر مانگی تھی کہ سبکتگین کو کوئی کاروبار ہی شروع کروا دوں تو کیسے صفا انکار کیا تھا۔ تمہارے اس بنیے شوہر نے..... لالچی' خود غرض' فسادی....."

"ایک منٹ ابا....." دادا کے پاس ایسے القابات کی پوری سیریل تھی..... مگر پھوپھو نے بہت سنجیدہ خفگی آمیز انداز سے ٹوکا۔

"میں نے نہیں بنایا اسے بنیا۔ وہ شروع دن سے ہی ایسا تھا اور اس کی اسی خوبی کی بنا پر تو آپ نے اسے اپنا داماد چنا تھا۔ میں نے تو صرف اچھی بیٹی کی طرح "قبول ہے" کہا تھا۔"

دادا واقعی چپ کر گئے۔

مختار دادا کے کسی دوست کا بھانجا تھا۔ مئودب اور چرب زبان..... اسے لوگوں کو شیشے میں اتارنا آتا تھا۔ اس کے ماں باپ سرگودھا میں کنوؤں کے باغ کے مالک تھے۔ زمین داری بھی تھی۔ جوانی کے دن تھے' وہ ان سب کاموں سے جان چھڑا کر کراچی آگیا۔ ماموں ادھر لکڑی کا بیوپاری تھا۔ دادا کے اچھے دوستوں میں شمار ہوتا تھا۔ مختار نے خوش شکل' نازک سی مہرالنسا کو سیڑھیاں اترتے چڑھتے دیکھا تھا۔ وہ بہت شستہ نرم لہجے میں بات کرتی تھی۔

ابا ہیں..... ابا نہیں ہیں۔ ادھر سرگودھا میں مختار کی ماں' بہنوں کا مخصوص پنجابی دبنگ لہجہ تھا۔ اسے مہرو کے لہجے کی نرمی اور مٹھاس اچھی لگی۔ ساتھ ہی شکل بھی پیاری تھی۔ ماموں نے رشتہ ڈالا اور ہر طرح کی گارنٹی لی۔

دادا نے بھی دیکھا' لڑکا ہوشیار تھا۔ کاروباری سمجھ بوجھ بھی اور ترقی کرتا۔ شریف بھی تھا۔ رشتہ دے دیا۔ تمام قیافے درست نکلے۔ وہ مٹی کو بھی ہاتھ لگاتا تو سونا کردیتا۔ کاروباری اصولوں میں پورا قصائی تھا۔ دوٹوک۔۔۔

(یہ ہی خوبی اب دادا کو سب سے بڑی خامی لگ رہی تھی۔ بنیا پکارتے تھے۔)

مختار پیسہ کماتا تھا' مگر خرچ کرنے سے پہلے سوچنے کا عادی تھا۔ مختار ان لوگوں میں سے تھا جو بیوی کو کھڑے کھڑے ہزاروں کی خریداری تو کروادیتے ہیں مگر ہاتھ میں پیسہ نہیں رکھتے۔

اور دادا کوئی بے غیرت آدمی نہیں تھے۔ مگر سبکتگین کے لیے ان کا دل دکھتا تھا۔

اور پھر زیبی کی بیوگی اور کسمپرسی۔۔۔ وہ چھوٹی تھی۔ لاڈلی تھی اور اب مصیبت میں تھی۔ دادا سے یہ بدحالی دیکھی نہ جاتی۔ اول خویش بعد درویش دادا کی سوچ قطعاً" غلط نہیں تھی۔ مہرالنسا کو اپنی بہن کے لیے کچھ تو کرنا چاہیے تھا۔ مہر موقع کی مناسبت سے لباس و جوتے بھیج دیتی تھی' مگر نقد رقم۔۔۔ بہت مشکل سے۔۔۔

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ماہوار راشن کے لیے رقم مقرر کردیتی یا بچوں کی فیس کی ذمہ اٹھالیتی۔

اور اس پر بیماری۔۔۔ اتنی خطرناک بیماری۔۔۔ کچھ لوگوں کو اللہ آزمائش کے لیے چن لیتا ہے اور اللہ کی پسند ہونا آسان نہیں۔ زیبی پھوپھو تو شکر صبر اور توکل سے بیٹھ گئی تھیں۔

"شکر میرے مالک تو جس حال میں رکھے' جو تیری رضا۔۔۔ جو تیرا حکم۔۔۔" مگر دادا کیا کرتے۔

"مجھ موئے کا تو کوئی گردہ بھی نہ خریدے' ورنہ وہی بیچ آتا' مگر اس سے بھی کینسر کا علاج کہاں ہوتا تھا۔"

"ایک بار مہر سے بات کرتا ہوں' آخر کو بہن ہے۔ لاکھ شوہر کے زیرنگین ہو۔ مگر بہن کی زندگی کا سوال ہے۔ چاہے تو اپنا زیور بیچ کر علاج کروالے۔۔۔ کتنا سونا پہن کر گھومتی ہے۔"

مگر مہر پھوپھو نے صاف انکار کردیا۔

"آپ کیسی باتیں کرتے ہیں ابا۔۔۔ میں اپنا زیور کیسے بیچ دوں اور لاکھ دو لاکھ کی بات ہو تو۔۔۔ یہ تو دس پندرہ لاکھ کی کہانی ہے اور کینسر کا لاکھ علاج کروالو' وہ اپنی جڑیں اندر اندر بنا کر رکھتا ہے۔ لاکھ دو لاکھ میں کردیتی ہوں' کچھ آپ قمر سے کہیں۔۔۔ مگر اس سے زیادہ کیا؟؟"

"ہاں اس سے زیادہ کیا۔۔۔ کچھ بھی نہیں۔۔۔" دادا کی نگاہیں حورے پر ٹک گئیں۔ وہ مچھلی صاف کررہی تھی۔

"کاش مچھلی کے پیٹ سے ایک موتی نکلے۔۔۔ اور۔۔۔"

"وہ تمہاری سگی بہن ہے مہر۔۔۔ بچپن میں تم اسے کمر پر اٹھائے گلی میں گھومتی تھیں؟" دادا ہار گئے۔

"تمہیں اس کا ذرا درد نہیں۔"

"فی الحال تو مجھے اپنی بیٹی نے درد میں مبتلا کردیا ہے۔ رو' رو کر زندگی اجیرن کردی ہے اس نے۔۔۔ اسے سمجھالوں' بہلالوں' پھر دیکھتی ہوں۔"

بیٹی نے جان ہی چھڑائی تھی۔ دادا نے خود مختار سے بات کرنے کا سوچا اور اس نے اچھی امید دلائی۔

"آپ پریشان نہ ہوں۔ کچھ کرتے ہیں' کچھ سوچتے ہیں۔ دنیا میں ہر مسئلے کا حل ہوتا ہے۔"

اور حل آگیا۔ مہر پھوپھو نے تو بیٹی کی خواہش کو درخواست بنا کر پیش کیا تھا۔ غور کرنے پر زور ڈالا تھا۔ نفع نقصان کی شرح بتائی تھی' مگر مختار پھوپھا نے۔۔۔ وہی سب الفاظ استعمال کیے' مگر آخر میں شرط کا لفظ کہہ کر گیند ان کے کورٹ میں ڈال دی۔ (وہ زیبی کا علاج کروادے گا' مگر سبکتگین۔۔۔)

دادا کی روح فنا ہوگئی' تو اولاد کیسی چیز ہے؟
اور انسان کتنا مجبور ہے اور انسان ہی کتنا بااختیار ہے۔

لیکن وہ نہیں مانیں گے۔

"مجھ سے سودے بازی کررہا تھا۔" آگے دادا کی مخصوص گالیاں تھیں' جو وہ زیرلب اٹھتے بیٹھتے دیتے رہے۔

☆ ☆ ☆

دادا کے کان سے فون لگا تھا۔ لاؤڈ اسپیکر حسب معمول کھلا تھا۔ حورے سب سن رہی تھی۔ دوسری طرف اس کے ابو تھے سعودیہ عرب سے' وہ دادا کو بتا رہے تھے کہ وہ ایک لاکھ کی رقم بھیج رہے ہیں پھپھو کے علاج کے لیے......

دادا پر شادی مرگ سی طاری ہو گئی۔ کچھ بہت اہم ٹیسٹ کروانے تھے۔ رقم کا کوئی بندوبست نہیں تھا۔ اس پر یہ کال.....

حورے چوکی پر اکڑوں بیٹھی تھی' منہ گھٹنوں میں دیے وہ سامنے رکھی ٹرے سے دال چن رہی تھی۔

دھیان مہو پھپھو کی آخری کال پر چلا گیا۔ وہ حسب معمول دادا کو نئی پٹیاں پڑھا رہی تھیں۔ حورے کو حیرت ہوئی۔ دادا چلاّئے جاتے۔ پھپھو پر اثر نہیں ہوتا تھا۔

یہ پھپھو کے مزاج کا ٹھہراؤ تھا۔ لائحہ عمل تھا صبر تھا یا وہ چکنا گھڑا تھیں۔ دادا کے جیسے واشگاف انکار کے بعد تو لوگ جائز بات سے دست بردار ہو جاتے ہیں۔ پھپھو ناجائز پر ڈٹی ہوئی تھیں۔

زینیا کا مزاج..... اکلوتی لاڈو رانی بہت معصوم ہے مگر تھوڑی ضدی بھی ہے۔ محبت کرتی ہے تو ٹوٹ کر..... اور نفرت..... اوہ نفرت تو وہ کسی سے کر ہی نہیں سکتی (اور اگر وہ نفرت کرنے پر آجائی) حورے نے جھرجھری لی۔ جو لوگ اپنے دل کی سنتے ہیں۔ وہ صرف اپنے دل ہی سے محبت کرتے ہیں۔

"آپ جذباتی ہو رہے ہیں ابا.....!" دادا نے ایک ہی سانس میں پھپھو کو بہت کچھ سنا ڈالا تھا۔ وہ ہانپنے لگے تھے۔ پھپھو نے باپ کی حالت کو محسوس کیا اور گہرا ٹھنڈا سانس بھرا اور پھر جب وہ بولیں۔ حورے ششدر رہ گئی۔

"جتنا کچھ مجھے آپ سے کہنا تھا' آپ کو سمجھانا تھا سب کر لیا۔ بس اب میں آپ سے کچھ نہیں کہوں گی۔"

پھپھو کا لہجہ مضبوط تھا۔ ادھر دادا چونکے اور حورے بھی۔ دادا پرسکون ہوئے کہ مہو خود ہی پیچھے ہٹ گئی۔ حورے کو بھی اطمینان ہوا۔

"میں اب سبکتگین سے براہ راست بات کروں گی۔ ایسے ہی اتنے دن غلط نمبر گھماتی رہی۔ وہ آج کا لڑکا ہے۔ زمانے کی اونچ نیچ کو سمجھتا ہوگا آپ سے زیادہ۔ وہ سمجھے گا میری بات......"

حورے یک دم تخت پر بیٹھی تھی۔ دادا نے چونک کر گردن موڑی۔ خود ان کے چہرے کی بے یقینی حد سے سوا تھی۔ دوسری طرف پھپھو کی تقریر دل پذیر جاری تھی۔ دادا بری طرح بھڑکے تھے۔

"دادا..... دادا..... دادا.....!" حورے اچھل کر ان کے سامنے آگئی۔ ان کے کان سے لگا فون جھپٹ کر دور صوفے پر اچھال دیا۔

"اوہ دادا.....!" حورے نے دادا کا سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ ان کے منہ سے کف جاری ہو رہا تھا۔ پتا نہیں کیا بولتے جاتے تھے۔ حورے پانی کا گلاس بھر لائی۔

دادا کی جسمانی حالت اس کے دل کی تباہ حالت سے زیادہ اہم تھی۔ دل..... ہائے خدشات سے بھرا..... کانپتا لرزتا۔ یہ کیا کہہ دیا تھا پھپھو نے..... ان کے ارادے اور اگر اگر سبکتگین نے۔ اوہ میرے خدا.....

اسے فون کی شکل سے ڈر لگنے لگا۔ اب بجا کہ تب..... اور دادا نے بھی فرمان جاری کر دیا۔ "آج کے بعد اس کا فون نہیں اٹھانا۔"

"کیا فائدہ..... وہ اب یہاں فون کریں گی بھی نہیں..... وہ تو اب سبکتگین سے بات کریں گی..... اور پھر سبکتگین کیا جواب دے گا۔ اگر اس نے ہاں کہہ دی؟؟"

پھپھو کے دلائل بھی تو کتنے وزن دار تھے۔

اور مستقبل کے سہانے خوابوں کی وہ لڑی جسے دادا نے نہیں تھاما تھا اگر سبکتگین نے گلے میں ڈال لی..... اوہ خدا نہیں..... اس کی آنکھیں پانیوں سے بھر گئیں۔

ہر پل سبکتگین کا چہرہ کھوجتی، سبکتگین کے فون کی بیل ہوتی تو دل اچھل کر حلق میں آجاتا۔ اس نے پہلی بار زندگی میں چوری بھی کر ڈالی۔ چپکے سے اس کا فون اٹھاتی اور مسڈ کالز اور ریسیو کالز کے آپشنز میں جاکر نمبر جانچتی۔

مگر کب تک.... کاش وہ کہہ سکتی "پھپھو کا فون نہ سنا سبکتگین۔"

پر اگر وہ پوچھ لیتا کیوں......؟ اوہ آگے کنواں پیچھے کھائی۔

"حورے.....!"

"اوہ.....!" دادا کی آواز پر چونکی۔ دادا کا دھیان نہیں تھا وہ بہت خوشی و جوش سے بیٹے سے باتیں کر رہے تھے۔

"قمر کہہ رہا ہے۔ حورے نے مجھ سے بات نہیں کرنی۔" دادا نے فون والا ہاتھ اس کی سمت بڑھایا۔ ابو اس سے حال احوال پوچھ رہے تھے۔ اسے کچھ چاہیے تو نہیں۔

وہ اپنے ابو کو "ہوں ہاں" میں جواب دیتے ہوئے پیروں کے پاس گری دال کے دانے چن رہی تھی۔ باپ سے تعلق نام کا اور فون کے رسمی جملوں تک محدود تھا مگر اس نے کبھی اسے کسی محرومی کی طرح پالا نہیں تھا۔

اس کی زندگی میں باپ اور ماں دونوں کا کردار نبھانے والے دادا تھے ناں۔ اور بیٹے سے بات کرنے کے بعد دادا کا چہرہ بڑے دنوں بعد پرسکون تھا۔ اسے تقویت محسوس ہوئی۔ فون دوبارہ دادا کے حوالے کرکے وہ دال چڑھانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔

☼ ☼ ☼

زیبی پھپھو کے ٹیسٹ بھی ہوگئے۔ تجویز کردہ دوائیں خرید لی گئیں۔ کچھ نقد رقم پھپھو کے ہاتھ میں رکھی۔ کچھ دادا نے بچالی۔

"تو پیسہ سکون ہے۔" تپائی پر ناشتہ سجاتے ہوئے اس کے اندر سے آواز ابھری۔ "تمام مسائل کا حل۔"

کتنے دنوں بعد اتوار منانے کے لیے اس نے اچھا سا ناشتہ بنایا تھا۔ حلوہ پوریاں، آلو کی کلونجی زیرے والی بھجیا۔ اچار

دادا کے لیے بہت کم میٹھا ڈال کر حلوہ بنایا تھا۔

لائٹ چلی گئی تو سبکتگین بدمزہ ہو کر گیلری میں چلا گیا۔ حورے کے چائے کے اشارے پر "ادھر ہی دے جاؤ" کہہ دیا۔ دادا نے آج کے الیکٹرک والوں کو نظر انداز کر دیا۔ وہ اخبار دیکھ رہے تھے۔

اس نے سبکتگین کو چائے کا کپ تھمایا اور ناشتے سے لطف اندوز ہونے لگی۔ دادا ہر خبر پر تبصرہ کرتے اور حورے کی رائے جانتے۔ یک دم سبکتگین کی دھاڑ نے آواز گونجی ...... وہ خشم ناک تیور لیے فون کو دادا کی جانب بڑھائے حورے کے سر پر کھڑا تھا۔ دادا، پوتی بری طرح چونکے۔

"کیا بات ہے؟ کیا ہوا؟" دادا کی آواز رعب دار تھی۔

"پھوپھو کا دماغ خراب ہے۔"

حورے کچھ نہ سمجھی۔

"اور ان کی بیٹی کا بھی۔"

"اوہ۔" حورے کے بدترین خدشات مجسم ہو کر سامنے آگئے۔ پتا نہیں سبکتگین کیا کہہ رہا تھا۔ اس کے تو کان سائیں سائیں کرنے لگے تھے۔ ہتھیلیوں سے پسینہ پھوٹ نکلا تھا۔ اس میں اتنی ہمت نہ رہی کہ پلکیں اٹھا کر سبکتگین کا چہرہ دیکھ لے جو بولتا جا رہا تھا۔ ہاں وہ بتا رہا تھا۔ پھوپھو نے کیا کہا ہے۔

"پر اس نے کیا جواب دیا' یہ بھی تو بتائے۔" اس کے دل کو پنکھے لگ گئے۔

اسے جواب جاننے کی ایسی بے چینی تھی کہ جیسے کوئی جلتے توے پر ہاتھ لگ جائے تو بے چینی سے جھٹکا جاتا ہے۔ اس نے ڈری نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی' وہ صوفے پر براجمان ہو چکا تھا۔ چہرہ لال بھبھوکا تھا۔ آنکھوں سے ناگواری اور سرد مہری عیاں تھی۔ وہ اندر سے امڈتے غیض پر قابو پانے کی کوششوں میں تھا

اور ناکامی صاف پتا لگ رہی تھی۔

"اوہ......!" حورے کی سانسیں بحال ہو گئیں۔

اسے منہ سے جواب دینے کی کیا ضرورت تھی' یہ جو اس کی حالت تھی۔ جواب ہی تو تھی۔

دادا نے اخبار دوبارہ اپنے سامنے پھیلا لیا۔ جیسے انہیں کچھ جاننے میں دلچسپی نہ رہی ہو۔ دادا کی بے نیازی نے بتایا تو ان کا کوئی معاملہ ہی نہیں ہے۔

اس نے دوبارہ بجتے فون کو گھورا تھا۔ اور حقارت سے خود سے دور کر دیا تھا۔ اسے دوبارہ غصہ آنے لگا تھا۔ وہ کچھ کہنے کے لیے لب کھولنا چاہتا تھا تب ہی اس کی نگاہ سہمی حورے پر پڑی۔

"اوہ......!" اس کی نگاہوں میں نرمی آ گئی۔ ایسے جیسے بادل یک دم سورج کے آگے آ جائیں۔

اس کے چہرے سے ساری ناراضی اڑن چھو ہو گئی۔ وہ ویسا ہی پیارا' بے ضرر مہربان ہو گیا جیسا کہ وہ ہمیشہ سے حور عرش کے لیے تھا۔ اس نے مسکرا کر چہرہ اچکا کر اس سے اشارے سے پوچھا کہ

"وہ کیوں سرسوں کا پھول بن رہی ہے کیا وہ سبکتگین کو پاگل کا بچہ سمجھتی ہے۔ یا لالچی بے وقوف۔؟"

اور یہ یقین کافی تھا۔ آج کی صبح واقعی اچھی تھی اور بڑے دنوں بعد آئی تھی۔ اس کے سارے خدشات ختم ہو گئے۔ وہ مسکرا دی۔

☼ ☼ ☼

"بے وقوف سی لڑکی ہے زینیا...... اور پھوپھو...... بچوں کی ہر فرمائش پوری کرنے والے والدین گھاٹے میں رہتے ہیں"

حورے رات کے لیے روٹیاں بنا رہی تھی۔ جب وہ کچن کے دروازے میں کھڑا ہو گیا۔ سینے پر ہاتھ لپیٹ رکھے تھے۔ حورے کے پیڑے بناتے ہاتھ ساکت ہو گئے۔ اس نے نظریں نہیں اٹھائی تھیں۔

"اور تم اس سے بڑی بے وقوف لڑکی ہو۔" اس کا لہجہ مسکراتا اور جتاتا ہوا تھا۔ حورے چونکی۔

"ہے ناں؟" وہ تصدیق بھی چاہتا تھا کہ وہ ہاں ہی کہے۔ وہ بے وقوف ہے۔

"میں نے کیا کیا ہے؟" اس کا لہجہ خفا تھا۔

"میں کیوں بتاؤں' تم اپنے دل سے پوچھو۔"

"مجھے کسی سے کچھ نہیں پوچھنا۔" اس نے روٹی توے پر ڈالی اور نکل جانے والے کونے کو انگلیوں سے سیدھا کیا۔

"اوئی!" توا فل گرم تھا۔ اس نے تیزی سے انگلی اپنے ہونٹوں میں داب لی۔

"دھیان سے......" سبکتگین بے تابی سے اس کے نزدیک آیا۔

"کچھ نہیں ہوا مجھے۔" اس نے روٹی کا رخ بدلا۔

"ہاتھ جلا ہے یار!" وہ انگلی دیکھنا چاہتا تھا۔

"نہیں جلا...... اور اگر جلا بھی ہے تو اتنا چھوٹا موٹا جلنا کٹنا تو باورچی خانے کی زندگی کا حصہ ہے' ہر عورت کے ساتھ دن میں ایک بار تو ایسا کچھ نہ کچھ ہوتا ہی ہے۔" اس نے بہت نرمی مگر صاف گوئی سے کہا۔

"تم نے کبھی بتایا نہیں۔"

"تم نے کبھی پوچھا نہیں۔"

"یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی۔" وہ خفا ہوا۔ حورے کچھ نہ بولی۔ وہ دوسرا پیڑا بنا رہی تھی۔

"اچھا۔ آج برتن میں دھو دوں گا۔" اس نے کچھ سوچ کر کہا۔

"صرف آج......" حورے شریر ہوئی۔

"تو کیا ہمیشہ......؟" اسے جھٹکا لگا۔

"میں نے تو نہ آج کے لیے کہا نہ ہمیشہ کے لیے...... صرف پوچھا ہے۔" اسے ہنسی آ رہی تھی۔

سبکتگین نے اسے گھورا۔ پھر گویا ہوا۔ "ہم ہمیشہ مل جل کر کام کیا کریں گے۔"

"بالکل......" حورے نے سر ہلایا۔ "آپ کام بڑھائیں گے میں کام کیا کروں گی۔"

"جو بھی کریں گے' دونوں ہی کریں گے۔" سبکتگین نے معصومیت کی حد کر دی۔

"ٹھیک ہے۔" اس نے ہنسی روک کر تابع داری کا مظاہرہ کیا۔

"تمہیں اتنی ہنسی کیوں آرہی ہے؟"

"تو کیا رونے لگوں؟"

"نہیں.... رونا مت مگر ہنسی کو روکا نہیں کرو۔"

"کیوں۔؟" وہ بے ساختہ پوچھ بیٹھی۔

"ہنستے ہوئے اچھی لگتی ہو۔" سبکتگین کا لہجہ جذب سے لبریز ہو گیا۔ حورے کے ہاتھ رک گئے۔ اور پلکیں لرزا ٹھیں۔

اس نے ایسے تو کبھی تعریف نہیں کی تھی۔ بہت برد بار، بہت لحاظی، بہت حیا والا تھا۔ مگر شاید آج کے دن کا تقاضا تھا کہ وہ کچھ ایسا کہے جو مقوی قلب ہو۔ ڈھارس دے.... بھروسا دے۔

ایک.... ایک نظر.... ایک مسکراہٹ۔

مضمون لکھ کر دینے کو کون کہتا ہے محبت میں۔

محبت تو بس چار حرفی ہوتی ہے۔

اور محبت تو....

"اکیلی کھڑے ہو کر روٹی بناتی تھیں تو جلدی مل جاتی تھی۔ مجھ بڈھے کو.... آج دونوں سے مل کر بھی نہیں بنی۔ بوڑھا آدمی ہوں۔ بھوک بھی جلدی لگتی ہے۔"

حورے کے توتے چڑیاں اڑے دادا کی صدا پر..... سبکتگین کے بھی دیوتا کوچ کر گئے۔ وہ جب کچن میں حورے کی دل جوئی کے خیال سے آیا تھا۔ دادا منہ کھول کر خراٹے لے رہے تھے۔

"کمال ہے بھئی۔" وہ کچن سے باہر نکل آیا۔

☼ ☼ ☼

دادا نے ایاز سے رکشہ لانے کا کہا۔ وہ زیبی پھپھو کے گھر جانا چاہ رہے تھے۔ فون پر انہیں بیٹی کی آواز نقاہت سے پر لگی تھی حالانکہ بیٹی نے سب اچھا ہے کا یقین دلانے کے لیے ہنس ہنس کر باتیں کی تھیں۔ مگر باپ کا دل۔

"رکشے میں کہاں تکلیف کریں گے دادا.... اتنی تو گرمی ہے۔ تو میں اپنی گاڑی لے آتا ہوں۔ اس میں چلے جائیں گے۔" ایاز نے نئی گاڑی خریدی تھی۔ دادا مسکرائے۔

"ویسے تو سبکتگین لے جاتا مگر وہ نئے کوچنگ سینٹر میں جاب کر رہا ہے۔ اور میرا دل کچھ بے چین سا ہے۔ بس آدھے گھنٹے کو زیبی کو دیکھ آؤں۔" دادا کے لہجے میں بھی بے چینی اور بے چارگی گھل گئی۔

ایاز نے سر ہلا دیا۔

دونوں روانہ ہوئے۔ دادا نے ایاز کو اندر آنے کے لیے نہیں کہا۔ اسے نزدیکی چائے کے کھوکھے پر ہی روک کر آدھے گھنٹے بعد آنے کا بتا دیا۔ ایاز نے پھر سر ہلا دیا۔

اور بیٹی کے گھر میں قدم رکھتے ہی دادا کو اپنے دل کی بے چینی کا سبب معلوم ہو گیا۔ بیٹی حال سے بے حال اپنے سلائی والے تخت کے اوپر پیٹ پر ہاتھ دھرے آنکھیں موندے پڑی تھی، تینوں چھوٹے بچے ماں کے گرد بیٹھے تھے۔ یونی فارم بدلا نہیں تھا۔

سنک میں پڑے گندے برتن، چائے کی پتیلی میں پڑی صبح کی چائے مٹیالی ہو چکی تھی۔ اور ایسا ہی بے رنگ چہرہ زیبی کا تھا۔

"تم لوگوں نے کھانا کھایا؟" بچے منہ سے کچھ نہ بولے، ایک دوسرے کو دیکھا اور نفی میں سر کو ہلا دیا۔

"کھا لیا ہے نانا....؟" بڑی والی کا جھوٹ صاف نظر آرہا تھا۔

"ہاں کھا لیا ہے۔" چھوٹوں نے بہن کی تائید ضروری سمجھی۔

نیم جان پڑی زیبی نے بمشکل آنکھیں کھول کر بچوں کو دیکھا پھر باپ کو۔ مسکرا دی۔ اور دادا نے سوچا وہ کیوں مسکرائی۔ ایسے مسکرانے سے تو بہتر تھا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیتی۔ دھاڑیں مارتی۔ بین کر ڈالتی۔ کم دکھ ہوتا، تھوڑی تکلیف ہوتی۔

"تم تو کہہ رہی تھیں، اب بہتر ہو۔" دادا نے شکوہ کیا۔

"ٹھیک کہا تھا.... رات سے تو بہتر ہوں بہت زیادہ...."

"امی کو بہت درد ہے نانا!" چھوٹی والی نے بتایا۔

"تم لوگوں کو بھوک نہیں لگ رہی۔؟"
"لگ رہی ہے۔" بیٹے نے بے بسی آمیز فکر سے کہا۔
"چلو سامان باندھو..... ہم گھر جائیں گے' راستے میں برگر کھلاؤں گا۔"
"برگر.....!" بچوں کی آنکھیں چمکیں۔ "کیچ اپ کے ساتھ؟"
"ہاں۔!" دادا لاٹھی پر زور ڈال کر کھڑے ہوئے۔
"بچوں کا اسکول ابا.....!" زیب النساء سب سن رہی تھیں۔
دادا نے جواب نہ دیا۔
بچے آگے آگے بھاگ رہے تھے۔ دادا اپنے ناتواں کندھوں سے بیٹی کو لگائے کپکپائے ہاتھوں سے تالا بند کرنے لگے۔

✵ ✵ ✵

دادا نے سنا تھا کہ ان کی زیبی کو کینسر ہو گیا ہے۔
کینسر ایک لفظ اس کو کہہ دینے کے بعد مزید کچھ بتانے کی گنجائش نہیں رہتی۔ سب سے مہنگا علاج اور انتہائی تکلیف دہ مرض اور زیبی پھپھو کو گھر لانے کے بعد وہ اس تکلیف کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔
وہ درد سے تڑپتیں تو دادا باؤلے ہو کر چکراتے۔
حورے کو دو دو مریض بھگتانے پڑ جاتے۔ بی پی بڑھ جاتا۔ دل میں درد ہونے لگتا' زبان کے نیچے گولی رکھ کر جبڑے بھینچ کر بھیگی آنکھوں کے ساتھ بیٹی کو دیکھے جاتے' یہاں تک کہ اس کی صورت دھندلا جاتی۔
دھند کے اس پار بیٹیوں کے چہرے ڈگمگاتے۔ زیبی مہو' حورے اور زینیا۔
مہو نے کہا تھا "ابا! پوتی بھی آپ کا خون اور نواسی بھی۔ یہ تو اب طے ہے فیصلہ کچھ بھی ہو' ایک اولاد کو تو رونا پڑے گا۔ تو ٹھیک ہے۔ میں اور میری بیٹی خود ہی رو دھو کر چپ کر جائیں گے۔"
وہ خواہ مخواہ انہیں جذباتی کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ مگر دادا کے دل پر اس بات کا اثر ضرور ہوا تھا۔

"میں نے آپ سے زندگی میں پہلی بار کوئی چیز مانگی نانا! اور وہ بھی آپ نے منع کر دی۔" زینیا کا لہجہ بھیگا اور مایوس تھا۔
سبکتگین "چیز" تو نہیں تھا۔
ایاز اوپر کے حوالے سے کان کھلے رکھتا تھا۔ اسے بھی زیبی پھپھو کی بیماری کا پتا لگا۔
"آپ مجھ سے پیسے لے سکتے ہیں دادا..... میں علاج کروا دوں گا زیبی پھوپھو کا۔" اس نے کہا۔
اور اگر یہ کوئی اور وقت ہوتا وہ حورے کے لیے ایاز کے حال دل سے ناواقف ہوتے تو فوراً" ہامی بھر لیتے مگر انہیں بہت گھٹیا سا احساس ہوا۔ وہ ایاز سے پیسے نہیں لے سکتے..... کبھی بھی۔
"یہ قرض حسنہ ہو گا دادا..... آپ واپس کر دیجئے گا' جب آپ کو سہولت ہو۔" دادا خاموش رہے۔
"دگر حل تو نکالنا پڑے گا۔" انہیں مہو کی باتیں یاد آنے لگیں۔
"آپ کیوں سبکتگین کے روشن مستقبل کی راہ میں رکاوٹ ڈال رہے ہیں ابا..... کیا مل رہا ہے۔ جوتیاں چٹخاتا ہے۔ مختار کا دل بہت بڑا ہے' وہ کچھ بھی کر کے دے دیں گے۔ جو بھی سبکتگین چاہے۔ شہزادوں جیسی آن رکھنے والا میرا بھتیجا کیا حق نہیں رکھتا کہ اسے سکھ کے پل نصیب ہوں۔" مہو پھپھو کا لہجہ دل گیر ہو گیا۔ (حقیقت یا مصنوعی؟)
"اوہو.....!" دادا اپنی سوچوں سے ابھرے۔ یہ زیبی کی کراہوں کی آوازیں تھیں اب تو درد کی شدت ایسی تھی کہ کوئی بھی پین کلر اثر نہ کرتی۔

✵ ✵ ✵

"میں مان گیا ہوں سبکتگین!" کمرے میں تین نفوس تھے اور اعصاب شکن خاموشی تھی۔ حورے اپنی قمیص پر بٹن ٹانک رہی تھی۔ دادا بالکل خاموشی سے گیلری میں آتی جاتی چڑیوں کو تک رہے تھے مگر سوچیں نظر آتی تھیں۔ سبکتگین دونوں ہاتھ گردن کے پیچھے جکڑے بیٹھا تھا۔ دادا کے جملے پہ چونکا۔ حورے

کے ہاتھ بھی رک گئے۔ دونوں کی نگاہیں ملیں پھر دادا کو دیکھا۔ مگر وہ ان دونوں کو نہیں دیکھ رہے تھے۔ وہی آب خوروں پر آتی چڑیاں....

"تم بھی مان جاؤ...." ان کی آواز اور لہجہ بہت صاف تھا۔

"آپ کیا مان گئے ہیں اور.... میں کیا مان جاؤں؟" سبکتگین کی سوالیہ نگاہیں حورے پہ گئیں جس نے لاعلمی سے کندھے اچکائے تھے۔

"زینیا سے شادی.... میں نے مہو کو ہاں کا فیصلہ کر لیا ہے تم بھی ہاں کہہ دو۔"

"دادا....!" سبکتگین کی آواز شدید ترین حیرانی کے ساتھ بلند ترین تھی۔

"دادا....!" حورے کی آواز جیسے کنویں سے برآمد ہوئی۔ ساتھ ہی اس کی کراہ نے دادا پوتے کو متوجہ کیا۔ اس کے ہاتھ میں سوئی کھب گئی تھی اور دوسری مٹھی میں بند سرخ بٹن تڑ تڑ کر کے زمین پر یہاں وہاں گر گئے تھے۔

مگر نہ وہ بٹنوں کو دیکھ رہی تھی نہ پور پر نمودار ہونے والے سرخ قطرے کو.... وہ تو بس پھٹی پھٹی آنکھوں سے دادا کو دیکھ رہی تھی۔ جن کا چہرہ جذبات سے عاری مگر فیصلہ کن تھا۔

"دادا! آپ نے کیا کہا؟" سبکتگین کو سارا قصور اپنی کم فہمی کا لگا دادا بھلا ایسا کیسے کہہ سکتے ہیں' سوال تو سادہ سا تھا۔

"آپ نے کیا کہا؟" مگر دادا نے جواب میں کیوں کہا سے لے کر وجوہات اور سدباب تک کا معاملہ نبٹا دیا۔

حورے تو لڑکی تھی اور لڑکیوں کے دل تو پتے کی طرح لرزنے کے بہانے ڈھونڈتے ہیں۔

مگر سبکتگین تو مرد تھا' اس نے زندگی میں پہلی بار جانا دل کا دھڑکنا اور بات ہے۔ دل کا لرز جانا اور....

☆ ☆ ☆

حورے میں اتنی سکت بھی نہیں تھی کہ وہ ایک شکوہ کناں نگاہ دادا پر ڈال لیتی دکھ اور صدمہ کوئی بتانے کی چیز ہے۔ دادا کو فیصلہ کرتے ہوئے جب اس کی یاد نہ آئی تو فیصلہ سنانے کے بعد وہ اسے کیا دیکھتے جو بیٹھے ہوئے کو نہ دیکھ سکے۔ وہ کھڑے ہوئے کو بھی نہیں دیکھ پاتا۔

اس نے دادا کی طرف سے منہ پھیر لیا.... اور انہیں معاف بھی کر دیا جو ان کے حالات تھے' ایسی بات سے کیا بعید.... یا شاید اس لیے کہ اس نے سبکتگین کا انکار سن لیا تھا' دیکھ لیا تھا۔

"وہ اور زینیا.... کبھی نہیں.... کبھی بھی نہیں۔" حورے کا دل مضبوط ہوا۔

اور زیبی پھوپھو.... سبکتگین کون سا ہاتھ پر ہاتھ دھر کے بیٹھا تھا۔ اچھا پرائیویٹ اسپتال نہ سہی۔ بہت سے اور راستے بھی تھے۔ ذرا تحمل مگر دادا کچھ بھی سننے کو تیار نہ تھے۔ زیبی پھوپھو کی کراہیں.... تکلیف سماعت پر ہتھوڑے برساتی تھی۔

مگر یہ حل تو نہیں.... کہ....

اور دوسری طرف دادا وہ اپنی بات منوانے پر کمربستہ تھے انہوں نے بھوک ہڑتال کر دی۔

"یہ کیا بچپن ہے دادا!" سبکتگین کو دانتوں پسینہ آ گیا۔ منت سماجت' جبر تک کر لیا مگر وہ منہ کھولنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ شوگر لیول گر گیا۔ ایمرجنسی میں اسپتال گئے۔

"آپ دوبارہ ایسی حرکت نہیں کریں گے۔" سبکتگین نے تنبیہی انگلی اٹھائی۔ حورے خاموش تھی۔ بے چارہ سا' بے بس رندھا ہوا چہرہ.... اس کے الفاظ گم ہو گئے تھے۔ کیا ہو گا۔ اب کیا ہو گا۔

"ہاں.... نہیں کروں گا ایسی حرکت دوبارہ...." دادا کے جملے امید افزا تھے مگر یہ تو جواب کا ابتدائیہ تھا جبکہ اصل جواب۔

"تو اس سے کہو' مان جائے۔" دادا وہیں کھڑے تھے۔ حورے کے بازو گر گئے۔ یہ نہیں کہہ سکتی تھی۔ وہ کیسے کہہ دیتی.... دم نکل جاتا۔

دادا کے چہرے پر استہزا بکھر گیا۔

"بس صرف باتیں' لگاوٹ کے مظاہرے۔"

"آپ مجھے بیچنا چاہتے ہیں دادا...!" سبکتگین کے لہجے میں کانچ تھا۔

"ہاں... دادا کا لہجہ بے جھجک تھا۔ سبکتگین گنگ رہ گیا۔

"مصیبت کے وقت گھر کی قیمتی چیزیں نیلام کردی جاتی ہیں۔ زیور' کپڑا' زمین' مکان..." دادا کی آواز صاف تھی اور میرے گھر کی واحد قیمتی چیز تم ہو..." صاف آواز میں سلوٹیں پڑ گئیں۔ مضبوط لہجے میں دراڑیں... پتھر آنکھ بھی موم ہوئی تھی اور دادا نے موم کو بہنے سے روکا نہیں' ہاں پر منہ ضرور پھیر لیا۔ سبکتگین جہاں کا تہاں رہ گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

سبکتگین کا انکار و قطعیت ڈھارس تھا تو دادا کا فیصلہ قیامت...

دادا' پوتا مدمقابل آگئے تھے۔ "زینیا سے نہیں کرے گا تو میں حورے کا ہاتھ بھی نہیں دوں گا۔ میری پوتی ہے۔ میں نہیں دیتا۔ رشتہ گھر سے نکال دوں گا بلکہ نکل جاتا ہوں خود ہی۔"

"آپ ایسا کچھ نہیں کریں گے۔" سبکتگین نے کہا۔

"میں سب کچھ کروں گا پوتے! کون مائی کا لال مجھے روکے گا۔" دادا نے سینہ ٹھونک کر کہا۔ کھانسی کا پھندا لگ گیا۔ سبکتگین کمر سہلانے کو آگے آیا تو دونوں ہاتھ آگے کر کے اسے روک دیا "دور... بالکل دور تم اپنی زندگی جیو۔" دادا دونوں ہاتھوں سے اسے دفع دور کے اشارے کر رہے تھے۔

"آپ مجھے کتا بنا رہے ہیں دادا... وہ بھی پٹے والا جس کی زنجیر اس زینیا کے ہاتھ میں ہوگی۔" وہ بے بسی سے بیٹھ گیا۔ "مجھے تو مہو پھپھو پر حیرت ہے' وہ اپنی سگی چھوٹی بہن کے علاج اور زندگی کے لیے فکر مند نہیں۔ سودے بازی پر تلی ہیں۔"

"مہو نہیں کہہ رہی' مختار کہہ رہا ہے۔" دادا نے تصحیح ضروری سمجھی۔ سبکتگین نے استہزاء سے سر جھٹکا۔

"آپ مہو پھپھو کو اس طرح باعزت بری نہیں کر سکتے دادا...! اکلوتی چھوٹی بہن زندگی و موت کے درمیان کھڑی ہے اور وہ... میری خود کی سگی بہن اس حال میں ہوتی تو میں اپنا گردہ بیچ دیتا... اپنی جان بیچ دیتا اور مہو پھپھو۔"

تیز تیز لہجے میں بولتے ہوئے اس کی سانس پھول گئی۔ چہرہ بھی انار ہو گیا تھا۔ پر یہ کیا...؟ دادا عجیب سی مسکراہٹ سے اسے دیکھ رہے تھے۔ سبکتگین کا چہرہ سوالیہ ہو گیا۔

"تو میں اور کیا کہہ رہا ہوں۔ میں بھی تو تمہیں جان بیچ دینے کا کہہ رہا ہوں ناں۔ سگی بہن کے لیے گردہ بیچتے' جان بیچتے تو سگی پھپھی کے لیے کیوں نہیں... یا پھر بہن اور پھپھی کے درجوں یا محبت میں فرق ہے...؟"

سبکتگین بھونچکا رہ گیا۔ دادا نے کہاں سے پکڑا تھا۔ کیسا نشتر لگایا تھا۔ کیسا تیر چلایا تھا۔ وہ اپنے ہی جملے کی پکڑ میں آ گیا۔ ہاں تو دادا اسے وہی کرنے کا تو کہہ رہے تھے جس کا اس نے جوش سے دعوا کیا تھا کہ۔

"ہم کیوں جئیں سبکتگین! محرومیوں کے ساتھ..." دادا کی آواز مدھم اور لہجہ دوستانہ مگر ٹوٹا ہوا تھا۔ "کیا دے رہی ہے ہمیں یہ زندگی۔ مایوسی' بھوک' افلاس' بیماری۔"

"میں مایوس نہیں ہوا دادا... میں کبھی مایوس نہیں ہوتا۔ مجھے یقین ہے میرا اچھا وقت بھی آئے گا۔" سبکتگین کا لہجہ پُرعزم و پُریقین تھا۔

"زیبی زندہ ہو گی تب تک...؟" دادا کی آواز اور آنکھ بھر آئی۔

"ہم سب امید و بیم میں جی رہے ہیں سبکتگین... بے کار زندگی... ٹھیک ہے تم نہ مانو... زیبی... کی تکلیف اللہ کم کرے' وہ اتنی زندگی ہی جیے گی جتنی اللہ نے لکھی ہے۔

مگر ہمارا ساتھ ایک دوسرے کو کیا دے رہا ہے ہم نے مجھ سے پوچھا۔ مجھے حورے پر ایک بار رحم نہیں آیا۔ اس پر رحم آیا تب ہی تو اس فیصلے پر پہنچا ہوں۔"

سبکتگین نے چونک کر دادا کو دیکھا۔ کچن میں سلیب کے سہارے مجسمے کی طرح کھڑی سب سنتی حورے بھی بری طرح چونکی۔۔۔

"کیا مل رہا ہے اسے اس گھر میں اور اس زندگی سے۔ تمہارے اور میرے ساتھ سے؟ پیدا ہوئی تو ماں کی عدم دلچسپی بلکہ نفرت۔۔۔ بے زبان، معصوم بچی ماں کی حقارت کو جھیل کر بڑی ہوئی پھر ماں کا چلے جانا پھر اسے بھول کر کہ کبھی پلٹ کر پوچھا تک نہیں۔۔۔ باپ کی عدم دلچسپی اور پھر جب وہ ملک سے ہی چلا گیا۔ اور نئی دنیا بسالی۔

جو کھلاؤ، کھالیتی ہے۔ جو پہناؤ، پہن لیتی ہے۔ کبھی کچھ مانگتی نہیں جبکہ اس کی عمر کی لڑکیاں۔۔۔ تمہاری نوکری کے خواب دیکھتی ہے۔

کیا ملے گا اسے تم سے شادی کرکے۔۔۔ کسمپرسی، تنگ ہاتھ جو بعد میں زندگی کو بھی تنگ کردے گا۔ یہی بے کار سا غریبانہ گھر۔۔۔ ایک کمرے سے دوسرے کمرے کا سفر کیا نیا پن ہوگا۔ لڑکیاں تو بڑے خواب دیکھتی ہیں۔"

"یہ سب آپ سے حورے نے کہا؟" سبکتگین کی آواز میں بے یقینی والا سہما پن نمایاں تھا۔

دادا کا سر نفی میں ہلا "یہی تو رونا ہے، وہ منہ سے کچھ نہیں کہتی۔"

سبکتگین کے سرخ پڑتے چہرے سے بے نیاز دادا نے آج حقیقت بیان کرنے کی قسم کھالی تھی۔ دوسری طرف حورے مجسمے کی طرح ساکت بس سن رہی تھی۔

"میں تو سب کا بھلا سوچ رہا ہوں ہم سب خوش رہتے۔۔۔ میں۔۔۔ زہی، اس کے بچے۔۔۔ زینیا اور تم حورے بھی اور۔۔۔" دادا نے حلق تر کیا۔ بہت سوچا تھا انہوں نے اس پہلو پر۔۔۔ اور پھر جتنا سوچتے رہے صورت حال واضح اور قابل قبول ہوتی چلی گئی۔ ہاں ایسا ہو سکتا ہے اور کیا برائی تھی۔ اس میں کوئی نہیں۔ دراصل انسان کا خود قائل ہونا ضروری ہے۔ باقی تو پھر غیر ضروری باتیں ہوتی ہیں۔

"اور دادا۔۔۔؟ اور کون دادا؟" سبکتگین کا لہجہ سنگین ہو گیا۔

"اور۔۔۔ اور ایان۔۔۔"

بالآخر انہوں نے کہہ ہی دیا۔

سبکتگین بھونچکا رہ گیا تھا۔ "ایان۔۔۔ اس کا کیا ذکر۔۔۔؟"

"رشتہ دیا ہوا ہے اس کی ماں نے حورے کے لیے۔۔۔ دس بار منت کر چکی ہے۔"

"رشتہ۔۔۔ منت۔۔۔ وہ جانتی نہیں کہ۔۔۔ اور آپ نے منع نہیں کیا کہ۔۔۔"

"جانتی بھی ہے اور منع بھی کر چکا ہوں، مگر ماں ہے نا۔ مائیں بڑی مجبور مخلوق ہوتی ہیں۔ بیٹے کے زور دینے پر آجاتی ہے بے چاری۔۔۔"

سبکتگین کے سر پر جیسے گارڈر گرا۔۔۔ اور حورے کے پیروں سے زمین سرکی۔ وہ سلیب سے سرکتی یوں زمین پر بیٹھی۔ جیسے حلق میں اٹکی آخری سانس نکلی ہو۔

(یہ آپ نے کیا کردیا دادا۔۔۔ جتنا کہ وہ سبکتگین کے مزاج سے واقف تھی، جتنا وہ اس کے حوالے سے پوزیسو تھا۔ وہ قصوروار نہ ہوتے ہوئے بھی محتاط ہو گئی تھی، تو یہاں تو دادا خود سے کہانی کہہ رہے تھے۔)

"وہ کہتی ہے، ایاز کہتا ہے، حورے سے شادی نہ ہوئی تو وہ کبھی شادی نہیں کرے گا۔"

دادا نے ایاز کی ماں کا جملہ دہرایا۔ مگر یہ تو وہ بات تھی جو مرتے دم تک سبکتگین کو پتا نہیں لگنی چاہیے تھی۔

"اور حورے، وہ کیا کہتی ہے؟ اور آپ نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟" سبکتگین کی آواز اجنبی ہونے لگی تھی۔

"لڑکیاں کب منہ سے بولتی ہیں سبکتگین۔۔۔"

ایک جملے میں دادا نے دونوں کی زندگی کا شیرازہ بکھیر دیا۔ (کاش وہ اٹھ کر جاسکتی اور دادا کے منہ پر ہاتھ رکھ دیتی، مگر۔۔۔)

"لیکن یہ تو ہم بڑوں کا کام ہے نا، بیٹیوں کے دل کا حال چہروں سے جان لیں۔ قرآن خوانی پر گئی تھی وہ اس

کے گھر... اب تک پھولوں، پودوں والے ہرے بھرے گھر کی تعریف کرتی ہے۔ اس کے گھر کا رنگ، دروازے... لکڑی کا جھولا اور بڑے بڑے ہوا دار کمرے...

ہمارے ساتھ رہ کر اسے کب ملیں گی یہ سب چیزیں... (چاہئیں بھی نہیں...)

ہمارا ساتھ صرف خسارہ ہے جبر ہے، اور کچھ نہیں... (نہیں دادا... نہیں۔)

''یہ سب حورے نے کہا؟'' سبکتگین اسی جگہ پر اٹکا ہوا تھا۔

''لڑکیاں کب منہ سے کہتی ہیں۔'' دادا اور کتنا جھوٹ بولتے۔ کیسے کہانی گھڑتے۔ کہانی بنانا کوئی آسان کام ہے، وہ بھی جھوٹی... (چپ کر جایئے دادا...)

حورے نے دیکھا، سبکتگین کھڑا ہوا تھا۔ اس کے نقوش بگڑ گئے تھے۔ وہ دادا کو دیکھے جاتا تھا۔ پھر وہ بیٹھا۔ منہ پر ہاتھ پھیرا، پھر بالوں میں... بے قراری و وحشت اس کے ہر مو سے عیاں تھی۔ یک دم وہ اٹھا اور تیزی سے باہر نکل گیا اور جتنا حور عرش اسے جانتی تھی۔

وہ اس کی زندگی سے نکل گیا تھا۔ چلا گیا تھا ہمیشہ کے لیے...

✡ ✡ ✡

کتنی دیر گزر گئی۔ دادا تخت پر اکیلے بیٹھے تھے۔ حورے اب تک باہر کیوں نہیں آئی ان سے جواب طلب کرنے، گلہ کرنے، لڑنے یا رونے ہی کے لیے... صرف سبکتگین کو سنانا تو مقصود نہیں تھا۔ حورے کو بتانا بھی ضروری تھا۔ وہ کیا کرنے والے ہیں اور انہوں نے کیا کر دیا۔

''کہاں گیا ہو گا سبکتگین...؟'' انہیں گمان ہوا، کہیں وہ ایاز کا گریبان نہ پکڑ لے اور اسے مار دے یا مر جائے... لیکن نہیں، وہ جس طرح نکلا تھا، اس کے قدموں کی شکستگی ان کی زیرک نگاہوں سے پوشیدہ نہ رہی تھی۔

''اور یہ حورے...'' دادا کا دل یک دم لرزا... ''وہ ٹھیک تو ہے نا...!'' انہیں عجیب سا وہم ہوا تو سرعت سے پیروں میں جوتا پھنسا کر کچن کی سمت بڑھے، پر دروازے پر ہی ٹھٹک کر رک جانا پڑا۔

وہ پھسکڑا مار کے فرش پر بے حس و حرکت بیٹھی تھی۔ دونوں ہاتھ گود میں دھرے تھے۔ وہ ناک کی سیدھ میں دیکھ رہی تھی۔ دادا کی آہٹ پر بھی جنبش نہ ہوئی۔ اس کے سرخ پپوٹے اور گالوں پر آنسوؤں کی لکیریں خشک ہو چکی تھیں، مگر داغ اب بھی باقی تھے، ہونٹوں پر پپڑی جمی تھی۔

''حورے...!'' دادا نے پکارا۔

جواب ندارد...

''حور عرش!'' دادا نے دوبارہ پکارا اور پھر شکستہ قدموں سے اس کے نزدیک اکڑوں بیٹھ کر کندھا ہلا کر متوجہ کرنا چاہا، مگر اس کا ارتکاز نہ ٹوٹا۔

''حورے...!'' دادا کی آواز بھرا گئی۔ کوئی اور وقت ہوتا تو اس کی پوری ہستی ہل جاتی، پر ابھی پلک بھی نہ جھپکی۔

دادا بیٹھے بیٹھے آگے ہوئے۔ اس کا چہرہ دیکھا اور اپنے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔ حورے میں تب بھی حرکت نہ ہوئی۔ ہاں بس پتھر ہوئی آنکھوں میں نمی چمکی۔ نمی سے چشمہ اور جھیل کے کنارے لبریز ہو گئے۔ حرکت اب بھی نہ ہوئی۔

''اور کوئی حل نہیں تھا میرے پاس...''

(تو الزام لگا دیا دادا... بدگمانی پیدا کر دی۔)

دادا وہی سب باتیں کہہ رہے تھے جو سبکتگین سے کہی تھیں۔

''سبکتگین شہزادہ ہے تو فقیروں کی طرح کیوں رہے؟''

(نہ رہے فقیر... بادشاہ بن جائے پر بادشاہ کنیزوں کو ساتھ رکھتے ہیں... دادا اسے بھی رہنے دیتے۔)

''میں لالچی نہیں ہوا حورے، خود غرض بھی نہیں کہنا، مگر بات زندگی موت کی تھی، تمہارے سامنے تو ڈاکٹر نے کہا کہ مرض بڑھ رہا ہے۔ یعنی لاعلاج ہوتا

جارہا ہے۔ تم خود کو میری جگہ رکھ کر سوچو' تم کیا کرتیں؟" دادا کی آنکھیں بہنے لگیں۔ پہلی بار حورے کی پلکیں لرزیں اور نظر اٹھی۔

ہاں موت کے بازار سے زندگی خریدنے کے لیے وہ سب کچھ داؤ پر لگا دیتی مگر اس الزام کو کیسے جھیلے جو اس پر لگ گیا تھا۔ بہت اچھا تھا' سبکتگین.... مگر عورت کے معاملے میں اس کا ظرف بہت چھوٹا تھا۔ ہوا اندر کر ہوتی تو وہ سارے دریچے بند کر دیتا۔ حورے کو کیوں چھوا؟

پھر وہ کیسے ایاز کا نام حورے کے نام کے ساتھ سن لیتا' جبکہ ساتھ بہت مہارت سے بنی کہانی بھی تھی اور کہانی کہنے والا کون...؟ دادا... جن پر اسے آنکھ بند کر کے یقین تھا۔

"تم میری بات سن رہی ہو نا حورے؟" دادا نے اس کا کندھا ہلایا اور وہ چھوئے جانے کی تو منتظر تھی۔ اس کا ضبط ختم ہو گیا' وہ ڈھے گئی۔ دونوں بازو دادا کی جانب بڑھا کر ان سے لپٹ گئی۔

دادا نے اسے خود میں سمو لیا۔ بھینچ بھینچ کر رو پڑے۔

"بہت اچھا ہے ایاز..."

(پر وہ سبکتگین تو نہیں...)

"تم خوش رہو گی؟"

(زندہ رہوں گی دادا! سانس چلنے کا نام زندگی ہی تو ہے۔)

"وہ مجھے معاف کر دیتا۔"

(سزا کیسے دوں' معاف کرنا پڑے گا دادا...)

حورے کے پاس سارے جواب تھے' مگر اس کے لب سل گئے تھے یا پھر زبان رہن ہو گئی تھی۔

"سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ تم سمجھ دار ہو' زینیا نادان ہے' ضدی ہے' بچی ہے۔"

(کاش وہ بھی ہوتی' اس کے سارے عیبوں پر باپ کے پیسے نے پردہ ڈال دیا۔)

"کیا سبکتگین کا حق نہیں کہ وہ اچھی زندگی جیے۔" دادا' پھوپھو مہرو کے الفاظ دہرانے لگے۔

"ہاں حق ہے اسے..." حورے' دادا کی آغوش سے نکلی' اس نے خود ہی اپنے آنسو پونچھتے ہوئے اقرار میں سر ہلا دیا۔

"زینی کے بچے رُل جاتے' وہ مر جاتی۔" دادا روتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

حورے نے سر اثبات میں ہلایا۔ "ہاں بالکل..."

"ایاز اچھا لڑکا ہے نا؟" دادا بتا رہے تھے کہ پوچھ رہے تھے' اس نے پھر بھی ہاں میں سر ہلایا۔

(نہ ہوا اچھا ایاز... برا ہو یا کوئی بھی ہو... محمود تو اس کے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔)

"میں نے ٹھیک کیا نا؟" دادا کو نہ جانے کون سی تسلی درکار تھی۔ حورے کی نگاہیں بے ساختہ اٹھیں۔

"تم مجھے معاف کر دو گی نا؟" دادا کو قرار نہیں تھا۔ مگر اس بار حورے کا سر اثبات میں نہیں ہلا۔ وہ نفی میں گردن ہلا رہی تھی۔ وہ دادا کو کبھی بھی معاف نہیں کرے گی۔ انہوں نے کچھ ٹھیک نہیں کیا۔

دادا کا رنگ بدل گیا' ہر سوال پر "ہاں" کیسے سوچ لی انہوں نے... کند چھری سے ذبح کیا اور پوچھتے ہیں۔ درد تو نہیں ہو رہا۔

حورے کا سر مسلسل نفی میں ہل رہا تھا' پھر وہ ان ہی سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

☼ ☼ ☼

"مسز اسی کا تو ہوگا... حورے کا سوٹ؟"

"بالکل نہیں... یہ ایک لاکھ سے اوپر کا ہے لکھوا لو مجھ سے..." اگلی آواز پُریقین تھی۔

"اور اس نے میک اپ بھی صیب بیوٹی پارلر سے کروایا ہے۔"

"حورے ہے ہی پیاری..."

سبکتگین نے ٹھنڈا سانس بھرا... وہ سب سے دور کسی کونے میں بیٹھا پڑوسی کی دونوں بیٹیوں کی گفتگو سن رہا تھا' جو دلہن بنی حورے کو سراہ رہی تھیں۔ حورے کو یا اس کے وجود پر سجے لباس و زیور اور سنگھار کو۔

سبز غرارہ سوٹ پر سلور کام اور نگینے تھے۔ سلور زیور اور پوٹوں کا سیاہ میک اپ' سرخ لپ اسٹک.... اسے دیکھنا اور پھر نظر کترانا' جان جوکھم کا کام تھا۔

اور پھر حورے کی اٹھی نظر کی خاموش استدعا.... وہ اس کے سامنے سے چلا جائے۔ اسے نہ دیکھے اور وہ دور ہٹ گیا تھا۔ مگر ارادہ نہ ہونے کے باوجود نظر پلٹ پلٹ کر اسی طرف جاتی تھی۔

صرف پڑوسی کی بیٹیاں ہی کیوں زینیا بھی حورے کے لباس و زیور اور مہندی کو چھو چھو کر رشک بھرے انداز سے سراہ رہی تھی۔

"کتنا ڈفرنٹ سبز رنگ ہے یہ....." اس نے کہا تھا۔

(ہاں نیم رنگ.... کڑوا زہر رنگ.... جس کی کڑواہٹ اس کے جسم کے ساتھ ساتھ روح پر بھی چڑھ گئی تھی۔)

حورے کسمسائی.... اسے سبز رنگ پسند تھا۔ جوگیوں کا رنگ.... گنبدوں' میناروں کا رنگ.... سبزے اور تراوٹ کا رنگ.... مگر اب وہ بس نیم کا رنگ تھا۔

"اور واقعی حورے تم مستحق تھیں کہ تمہیں سب کچھ ملے اور یہ شان و شوکت' یہ آسائش اور خواہش...."

"میں تمہارے ساتھ چٹنی روٹی کھا کر شکر گزاری کی زندگی گزار لیتی سبکتگین..... مگر....." اس سے آگے وہ بول ہی نہ پائی۔

"مجھے معلوم ہے' تم گزار لیتیں وہ زندگی.... مگر حورے کیوں؟ تمہارا حق تھا کہ تمہارے لیے آسمان سے تارے چنے جائیں اور میرا ہاتھ اتنا اونچا ہو نہیں سکا۔"

"تم دادا کی بات مان لو سبکتگین.... زینیا اچھی لڑکی ہے۔" وہ صاف آواز' مضبوط لہجے کے ساتھ اس کے سامنے آکھڑی ہوئی تھی۔ وہ بری طرح چونکا تھا۔

"اور تم....؟" اس نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"تم بری لڑکی ہو؟"

"میرا کوئی ذکر نہیں سبکتگین.... میں اس سارے قصے میں کہیں نہیں ہوں' اور اس کے ساتھ میرا یقین بھی کر لو کہ....."

"یقین....؟"

"ہاں یقین.... میں ایاز کو بالکل نہیں جانتی کہ وہ کون ہے اور کیا سوچتا ہے۔"

سبکتگین پوری جان سے ہل گیا۔ وہ اس کے مزاج کے تمام رنگوں کی بھیدی تھی۔ جانتی تھی' اس کے نام کے ساتھ وہ کسی کا نام غلطی سے بھی نہیں سن سکتا تب ہی تو صفائی دے رہی تھی۔ ہاں وہ راہ ضرور بدل لے' مگر بدگمانی مت پالے' بات کردار کی تھی' وہ محبت دان کر دینے کا حوصلہ رکھتی تھی' مگر اس نے اس کے ساتھ بے ایمانی نہیں کی تھی۔

سبکتگین نے بس نظر اٹھا کر اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ دادا نے تو بہت پکا نشانہ لگایا تھا۔ پل بھر کو اس کا وجود ہل گیا تھا مگر حورے.... وہ ایسا نہیں کر سکتی تھی۔ کبھی بھی....

"میں جانتا ہوں۔ تم کسی ایاز کو بالکل نہیں جانتیں اور یہ کہ...."

"بس...." حورے نے ہاتھ اٹھا دیا۔ "اتنا کافی ہے اور کچھ بولنے کی ضرورت نہیں۔" وہ کمرے سے نکل گئی۔

اور محبت پانے کا نام تو نہیں.... محبت ہی میں تو کھویا جاتا ہے۔ محبت ہی کا تو غم منانے کی روایت ہے۔ محبت قربانی مانگتی ہے۔ دادا نے مانگی اور محبت ہی تو مجبور کرتی ہے۔ وہ محبت جو اسے دادا سے تھی۔ ان کے آنسوؤں سے تھی اور زیبی پھپھو سے تھی اور حورے سے تھی....

وہ اسے اپنے ساتھ سسکتی' قطرہ قطرہ نچڑتی زندگی کا حصہ کیوں بنائے' جبکہ اس کے لیے راہیں روشن اور کشادہ ہیں۔

دادا نے ایاز کو ہاں کر دی اور آج نکاح کی یہ تقریب....

ایاز' حور عرش کو اپنا بنانے آیا تھا' اس نے زمین کے مقدور بھر وسائل لگا دیے تھے۔ یہ شان و شوکت' یہ رنگ و نور.... اور وہ حورے کے ساتھ بیٹھا جچ رہا تھا۔

اور مہو پھپھو نے یہ کہا تھا کہ "سبکتگین اور زینیا ساتھ کھڑے کتنا جچ رہے ہیں۔"

پتا نہیں۔۔۔ وہ زینیا کی طرف دیکھ ہی نہیں پاتا تھا۔ (ہاں زینیا کی نظریں نہیں تھکتی تھیں اسے دیکھ دیکھ کر۔۔۔) دادا کی ہر بات پر لاجواب ہو کر اس نے نہ جانے کس امید پر آخری پتا کھیلا تھا۔

"میں مان گیا ہوں دادا! مگر ایک بار زینیا سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے، ضرور بات کرو' اس میں کیا حرج ہے۔" دادا کے لیے یہ ہی کافی تھا کہ وہ مان گیا تھا۔

اسے یقین تھا' اس سے بات کرنے کے بعد زینیا خود انکار کردے گی۔

مگر زینیا نے اسے حیران کردیا۔

"زینیا! میری کچھ شرطیں ہیں۔ اگر تمہیں منظور نہ ہوں تو تم اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرسکتی ہو۔"

"تمہید مت باندھو' مجھے سب منظور ہے۔" اس نے اس کی پوری بات بھی نہیں سنی تھی۔

وہ خوشی سے بے حال تھی۔

"میں گھر داماد نہیں بنوں گا۔ تمہیں یہیں رہنا ہوگا' اسی شہر اور ان ہی گلیوں میں۔ مجھے اپنے شہر سے محبت ہے۔"

ایک محبت (حورے) چھوڑ دی ہے۔ اب اور کچھ نہیں چھوڑے گا۔ اپنی انا' خودداری' اپنے لوگ' اپنا شہر' شہر خرابی' شہر دلدار' شہر محبت۔۔۔ شہر بے درد۔۔۔

"تمہیں گزارہ کرنا ہوگا' ہر حال میں ساتھ نبھانا ہوگا اور۔۔۔ اور۔۔۔"

شقیں بڑھتی ہی جاتی تھیں اور وہ مسکرائے جاتی تھی' وہ جیسے اس پر وزن بڑھا بڑھا کر ڈگمگانے کا منظر دیکھنا چاہتا تھا۔ (شاید کوئی موہوم سی امید کہ۔۔۔)

"چپ کر جاؤ سبک۔۔۔" اس نے ہوا میں ہاتھ ہلایا۔

وہ ہلکی پھلکی تھی۔

"لعنت اس محبت کے دعوے پر جو ساتھ بھی نہ نبھا سکے۔ تم میرے ساتھ رہو' یہ ہی کافی ہے میرے لیے اور وہ محبت ہی کیا جو محبوب کے رنگ میں نہ رنگ سکے۔"

اس کے حیران تاثرات پر اس نے گہرا جملہ کہا۔

"میں کسی بلیک میلنگ میں نہیں آؤں گا۔ نہ کبھی سنوں کہ تم پچھتا رہی ہو۔"

"بلیک میلنگ۔۔۔ کون سی بلیک میلنگ۔۔۔؟"

زینیا چونکی اور وہ بھی چونکا۔ تو پھر پھوپھیا پھپھا مختار ڈوریاں ہلا رہے تھے۔

اور پتا نہیں زینیا نے سچ کہا کہ جھوٹ۔۔۔ ابھی تو وہ پالینے کے خمار میں سراپا تسلیم تھی۔

سبکتگین کی نسبت دادا اسٹیج کے عین سامنے والی کرسی پر براجمان گیلی آنکھوں سے حورے کو تکتے ہی جاتے تھے۔ مہو پھپھو ساتھ آکر نہ جانے کب بیٹھ گئیں۔

"میں شرمندہ ہوں ابا۔۔۔ مگر مختار۔۔۔ وہ ایسا ہی ہے۔ آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں اسے۔۔۔ لیکن ایک بات بتاؤں۔۔۔ میں فیصلہ کرچکی تھی۔ میں اپنا زیور بیچ کر بھن

کا علاج کرواؤں گی' تو اس نے دھمکا دیا۔ تمہارے ابا کے لیے اپنی بیٹی کی زندگی اور خوشی اہم ہے تو میرے لیے میری بیٹی کی' میں بے بس ہو گئی ابا۔۔۔ کاش میں آپ کو سمجھا سکتی یا یقین دلا سکتی۔"

وہ ہاتھ مل رہی تھیں۔

"میں زینیا کو بھی نہیں سمجھا سکی۔" دادا کچھ نہ بولے۔

یقین سے اب کیا حاصل تھا۔ کچھ بھی نہیں۔

مگر شاید یہ سب ٹھیک ہوا۔ وہ ایاز کو دیکھ رہے تھے' جو اپنی کزنز کے جلو میں قہقہے لگا رہا تھا۔ اس کی خوشی بتانے کے لیے کوئی مثال ملنی مشکل تھی۔

(بالکل ایسے جیسے سبکتگین کا غم بتانے کے لیے اور حورے کا' غازے کی تہ اور آنکھوں کے گہرے سیاہ میک اپ نے سب چھپا دیا تھا۔ وہ غم جو آنکھ میں ٹھہر گیا تھا۔ وہ زردی جو چہرے پر کھنڈی تھی۔ لرزتے سرخ لب حیا کے خانے میں ڈال کر سب ٹھیک ہو گیا۔ آہ۔۔۔)

"تمہارے نام کا مطلب جاننے کے لیے میں لغت خرید لایا تھا۔" ایاز کی سرگوشی پر وہ کیا کہتی۔

"عرش کی حور تو مرنے پر ملے گی۔ میرے لیے تو تم حور ارض ہو۔" وہ بے حد خوشی سے کہہ رہا تھا۔ اپنی اختراع پر نازاں۔۔۔ جبکہ حورے۔۔۔ اس کا دل رو دیا۔

حور ارض۔۔۔ جب ہی مٹی ہو گئی۔

کھانا کھلنے کی صدا پر سبکتگین دادا کو سہارا دے کر لے آیا۔ اب حورے تو نہیں تھی جو ان کا دھیان رکھتی' اسے ہی سب کرنا تھا۔

☼ ☼ ☼

آزردہ اور محروم زندگی سے بہتر زندگی۔

دادا اور حورے نے اسے "محبت" ہی کا واسطہ دیا تھا۔ دادا سب کہہ دیتے' سارے دلائل دیتے' سچے اور جھوٹے' بس یہ نہ کہتے

"اگر مجھ سے محبت ہے تو؟"

اور اسے محبت تھی۔ اسے خود سے وابستہ ہر چیز سے محبت تھی۔ ان محبتوں کے لیے وہ جان قربان کر سکتا تھا۔ یہ تو فقط دل کی قربانی تھی اور محبت خراج مانگتی ہے۔

ایثار صرف اس کے حصے میں تو نہیں آیا تھا۔ حورے بھی اس کی ہم قدم تھی۔ وہ بھی محبتوں سے گندھی تھی۔ اتنی محبتوں سے بچھڑ کر وہ بھی خوش نہیں رہ سکتی تھی۔ دونوں کے ایثار نے کتنی محبتوں کو بچا لیا تھا۔ کتنا ظالم لگتا کہ حورے کا ہاتھ پکڑتا اور چل پڑتا۔ تب وہ سبکتگین تو نہ ہوتا جس کی رحم دلی مشہور ہے۔

اور یہ تو اسے پتا تھا کہ زینیا کے ساتھ زندگی کا سفر مشکل نہیں ہو گا۔ وہ اپنی محبت سے اس کے دل کے زخم بھر دے گی اور وقت کے ساتھ ساتھ ایک ہلکی سی کسک رہ جائے گی۔

اس نے زینیا کی آنکھوں میں سچائی کو دیکھا تھا۔ وہ صاف گو لڑکی تھی۔ اور مضبوط بھی۔۔۔

اور محبت بچھڑ جائے تو انسان مر نہیں جاتا۔ دل دھڑکتا ہے۔ ایک میٹھے درد کے ساتھ۔

پھر بھی دل دھڑکتا ہے
پھر بھی سانس چلتی ہے
زندگی ہے تھکی سی
اک نظر بھٹکی سی
ساتھ چھوٹ جانے سے
راستہ بدلنے سے
دل نہیں بدلتا ہے
عشق بے زبان سہی
پھر بھی بات کرتا ہے
وہ نظر سے دور ہو
پھر بھی پاس لگتا ہے
بے بسوں کی دنیا میں عشق بار لگتا ہے
بار بار لگتا ہے
ہاتھ چھوٹ جاتا ہے' یاد روگ لگتی ہے
پھر بھی دل دھڑکتا ہے' پھر بھی سانس چلتی ہے

☼